اللہ کا طالب

اور اس کی زندگی کے صحیح فکری و علمی خطوط
طالب کے حالات کی عکاسی اور تعمیر ملت کی صورت

محمد موسیٰ بھٹو

ہماری کچھ کتابیں

۱۔ ملتِ اسلامیہ اور اس کی تعمیر کے صحیح خطوط
۲۔ جواہر حکمت و معرفت (ذاتی ڈائری کے اوراق سے)
۳۔ خزینہ شریعت و معرفت
۴۔ انسانی شخصیت میں نصب بت۔ روحانی اور نفسی بیماریوں کا تجزیہ
۵۔ نفسی قوتیں۔ جدیدیت کے پس منظر میں
۶۔ عالم اسلام، دجالی تہذیب کی زد میں
۷۔ مراقبہ اور زندگی کو بدلنے میں اس کا کردار
۸۔ جدید سندھ کے رجحانات
۹۔ اسلامی شریعت اور طریقت۔ حضرت مجددؒ کی نظر میں
۱۰۔ مسائل و معاملات میں حکیمانہ رہنمائی
۱۱۔ سندھ کے اکابر بزرگ شاعر اور ان کا پیغام
۱۲۔ تصوف و اہل تصوف، سلف و خلف کی نظر میں
۱۳۔ ندائے محبت
۱۴۔ ہمارے نفسی و اجتماعی مسائل
۱۵۔ اسلام پر اعتراضات کا علمی جائزہ
۱۶۔ معاشرہ کی اسلامی تشکیل نو اور تصوف و احسان
۱۷۔ شیخ ایاز کے آخری دس سال
۱۸۔ نفسی قوتیں، ایک مطالعہ۔ ایک جائزہ
۱۹۔ مشاہدۂ حق
۲۰۔ اسلامی فکر کی تشکیل اور معاشرے کی تعمیر
۲۱۔ عصر حاضر کے غلام مصطفیٰؐ
۲۲۔ نفس اور مادیت کے خلاف۔ معرکہ آرائی میں ذکر کا کردار
۲۳۔ عصر حاضر کی شخصیتیں۔ میری نظر میں (خطوط اور خاکے)
۲۴۔ تو اپنی خودی اگر نہ کھوتا
۲۵۔ صدائے محبت۔ (اہم خطوط کا مجموعہ)
۲۶۔ سندھ۔ ماضی، حال اور مستقبل (شخصیتوں کے آئینے میں)
۲۷۔ اسلامی فکر، بیسویں صدی میں
۲۸۔ تعلیمات مجدد الف ثانیؒ
۲۹۔ عرفان لطیف
۳۰۔ شاہ عبد اللطیف بھٹائیؒ کا پیام
۳۱۔ پیام۔ محبت (محمد موسیٰ بھٹو کے علمی اور دعوتی خطوط کا مجموعہ)
۳۲۔ اللہ کا پیغام انسانوں کے نام
۳۳۔ جدید سندھ کے دانشور اور عالم۔ تعارفی خاکے
۳۴۔ قرآن اور علم جدید (ڈاکٹر محمد رفیع الدین کے کتاب کی تلخیص)
۳۵۔ ملت اسلامیہ اور عصر حاضر کے تقاضے
۳۶۔ اصلاح نفس کا لائحہ عمل
۳۷۔ برصغیر ہند کی بعض ممتاز علمی شخصیتیں
۳۸۔ قومی تعمیر و زوال میں نظام تعلیم کا کردار
۳۹۔ اسلام اور ملت اسلامیہ۔ عہد جدید میں
۴۰۔ اسلام۔ مسلمان اور تہذیب جدید
۴۱۔ عہد جدید میں۔ داعی و صوفی کا کردار اور اس کی خصوصیات
۴۲۔ تعمیر سیرت کا کام اور اس کے تقاضے
۴۳۔ ہمارے سلگتے ہوئے اخلاقی و روحانی مسائل اور ان کا حل
۴۴۔ جدید انسان کا داخلی بحران۔ اور اس سے نکلنے کی صورت
۴۵۔ سلطان باہو کا کلام ترجمہ اور اس کی تشریح
۴۶۔ تصوف اور اسلامی تحریکیں۔ عہد جدید میں
۴۷۔ اہم تفسیری نکات۔ (اہل محبت و اہل سلوک کے لئے قرآنی لائحہ عمل)
۴۸۔ دینی جماعتوں و شخصیتوں کا علمی جائزہ
۴۹۔ مجالس نبوی ﷺ
۵۰۔ سلیقہ انسانیت کا بحران۔ اور بچاؤ کی تدابیر

سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ
400- بی یونٹ نمبر 4 لطیف آباد۔ حیدرآباد

فہرست مضامین

تعارف	7
اللہ کا طالب اور اس کی زندگی کے صحیح فکری و عملی خطوط	8
اللہ کے طالب کی خصوصیات	11
اللہ کی طلب پیدا کرنے کے مراکز	13
جذباتِ محبت کی خاصیت کسی بھی مرحلے پر آکر سرد نہ ہونا	14
دنیا کا طالب اس کی زندگی کے خطوط اور حسرتیں	17
اللہ کے طالب کے اہداف	20
ان اہداف کے حصول کا طریقہ	21
اللہ کے حقیقی طالب کی اصل فکر مندی	22
اللہ کے طالب کے حالات ایک نظر میں	23
اللہ کے طالب کے تین اہم کام	25
طالب پر نفس کے ہونے والے حملے	29

اللہ کا سہارا لئے بغیر ذہنی اور نفسیاتی بیماریوں کا پھوٹ پڑنا	32
قرآن سے تعلق کا قائم ہونا	35
نفس پرست افراد سے مادہ پرست معاشرے کا وجود میں آنا	38
نفس کی ہزارہا واردات سے گزرنا	39
زبانِ قال و زبانِ حال سے سلیقہ انسانیت کی دعوت	40
دنیادار افراد کی دوستی کا زہر قاتل ہونا	42
دین کے لئے مختلف شعبوں میں ہونے والے کام کو اپنا کام سمجھنا	44
طالب کا سب سے قیمتی وقت	46
شہرت سے دور رہنے کی روش	48
اللہ کا حقیقی طالب اور اس کے کچھ حالات	52
اللہ کی محبت سے بہرہ وری اور محرومی اور زندگی پر پڑنے والے اس کے اثرات	56
اللہ کی طرف سے طالب پر بظاہر حالت امتحان بباطن حالت انعام	59

	نفس اور اس کی آلہ کار خیالی قوت کے طلسم سے آزادی حاصل کرنے کا کام	62
	جدید نظریاتی چیلنج۔ کا ہمارے لئے موت وحیات کی حیثیت اختیار کرنا۔ اللہ کے طالب کی فکر مندی	64
	تین طبقات میں معاشرے میں فساد برپا کرنے کے جراثیم کا ہونا	67
	اللہ کے طالب کے شب وروز کے احساسات	70
	انسانیت کی فکر کا دامنگیر ہونا	74
	انسانیت کا سب سے بڑا المیہ دولت کی چھینا جھپٹی پر تصادم اور لڑائیاں (سراپا عبرت)	76
	تصوف کی جعلی و حقیقی صورت اور گھروں کو فتنہ وفساد سے بچانے کی صورت	80
	علم ہے ابن الکتاب عشق ہے ام الکتاب	83
	اللہ کی سنت کتاب اللہ کے ساتھ رجال اللہ کا ہونا	90

	اللہ کے عتاب کی صورت مٹی کے ڈھیر جمع کرنے میں توانائیاں صرف کرنا	93
	اللہ کی محبت سے اخلاص، اعمال اور خشیت کا وابستہ ہونا	96
	طالب پر نفس کی الوہیت کے خیالات کا غالب آنا (طالب کے حالات کی عکاسی)	98
	اصولوں کی خلاف ورزی سے سزا کا ملنا	102
	اداروں اور تنظیموں میں داخلی انتشار کا ایک اہم سبب	105
	سلف صالحین پر عدم اعتماد کے اثرات ونتائج	107
	تعلیمی اداروں میں اخلاقی وروحانی تربیت کے انتظام کی ضرورت	110
	اسلام کے نفاذ کی بہتر صورت فرد کی تبدیلی سے کام کا آغاز کرنا	115
	اعلیٰ اور پاکیزہ انسانی حس کی بیداری کی ضرورت	123
	موجودہ پُر فتن دور میں مادیت کے اثرات سے بچاؤ کے لئے کرنے کے کام	128

تعارف

ان مضامین میں اللہ کا طالب یعنی بندہ مومن، نفس امارہ سے نفس مطمئنہ تک پہنچنے اور اللہ سے قرب کے مقامات طے کرنے کے لئے جو مجاہدے کرتا ہے اور ان مجاہدوں کے دوران اسے جو حالات درپیش ہوتے ہیں، اسے جن مشکلات اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور فرعونِ نفس اسے اپنے شکنجے میں کسنے کے لئے مکر وفریب کے جو حربے استعمال کرتا ہے، اس کی عکاسی کی گئی ہے اور اللہ کے طالب کے حوالے سے معاشرے کے حالات کی بھی تصویر کشی کی گئی ہے۔

آج ہمارا معاشرہ اور ہماری ریاست جس بحرانی حالت سے دوچار ہے کہ اس کی کوئی کل درست نہیں ہے، اللہ کے طالب کے نفسی حالات اور اس کے نفس کے مدوجزر کے پس منظر میں ان مضامین میں معاشرے اور ریاست کی جملہ خرابیوں اور اس کے ازالہ کی تدابیر بھی پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اس طرح یہ کتاب نہ صرف اللہ کے طالب یعنی بندہ مومن کی نفسی قوتوں سے حالت تصادم اور ان قوتوں سے بچکر نفس کو سنوارنے کے حالات پر مشتمل ہے، بلکہ کتاب میں معاشرے اور ریاست میں موجود ہمہ جہتی فساد اور اس فساد سے بچاؤ کے سلسلے میں بہتر حکمت عملی بھی پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس طرح کی کتابوں سے جو دل اور نفس کی وسیع دنیا کے حالاتِ سفر پر مشتمل ہوتی ہیں، ان سے قوم وملت کے لئے بحرانوں سے نکلنے کی صورت پیدا ہوتی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ہم سب کے لئے نافع بنادے۔

۲۸ فروری ۲۰۲۲ء **محمد موسیٰ بھٹو**

اللہ کا طالب اور اس کی زندگی کے صحیح فکری و عملی خطوط

اللہ کے طالب کے فکری و عملی خطوط وہی ہوتے ہیں، جو قرآن وسنت میں موجود ہیں، وہ قرآن وسنت سے باہر جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا، چونکہ وہ اللہ سے والہانہ محبت رکھتا ہے، اس لئے یہ محبت اسے توحید، رسالت اور آخرت کے عقائد پر مستحکم رکھتی ہے، وہ ہر طرح کے شرک سے وہ چاہے قدیم طرز کا شرک ہو یا جدید مادی نظریات کے سیکولرزم پر مشتمل شرک ہو، وہ شرک کی ساری صورتوں سے برائت کا اظہار کرتا ہے، وہ کسی بھی قسم کے شرک سے مصالحت کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

جدید دور میں جدیدیت کے نام سے باطل کی جو صورت پیدا ہوگئی ہے، جس کے تحت کائنات کی تخلیق میں اللہ کی قوت کارفرما نہیں ہے، بلکہ یہ کائنات کچھ قدرتی قوانین کے تحت خودبخود پیدا ہوئی ہے اور ارتقائی صورت اختیار کرتی جارہی ہے، اس نظریہ سے بہت سارے مادی نظریات سامنے آئے ہیں، اللہ کا طالب ان سارے مادی نظریات کی نفی کرتا ہے، وہ اللہ کی ذات پر کامل یقین رکھتا ہے، توحید کا عقیدہ اس کا بنیادی عقیدہ ہوتا ہے، اس عقیدے میں رسوخ اور اس عقیدے کے فکری اور عملی تقاضے اس کی زندگی کے اہداف ہوتے ہیں، اللہ کے رسولوں اور انبیاء کرام کی تصدیق کرنا، آخرت کے عقیدے پر یقین رکھنا، آخرت میں اللہ سے ملاقات کا استحضار ہونا، یہ عقائد اس کے ایمان کا بنیادی حصہ ہوتے ہیں۔ اس کی عملی زندگی کے خطوط وہی ہوتے ہیں، جو اللہ کے آخری رسول کی حیاۃ طیبہ، ان کی سیرت پاک اور ان کی احادیث سے اسے ملے ہیں۔

اللہ کا طالب، اللہ سے والہانہ محبت رکھنے کی وجہ سے دوسری ساری محبتوں کو اس کے تابع رکھتا ہے، وہ ہر طرح کے باطل اور باطل کی ہر صورت کو اپنے لئے چیلنج سمجھتا ہے، وہ اپنی استعداد کے مطابق ان باطل نظریات کی تردید کرتا ہے، اللہ کے طالب کی زندگی کا کوئی پہلو

ایسا نہیں ہوتا، جو اللہ کی مرضی اور اس کی اطاعت سے ہٹ کر ہو۔ اس کی زندگی قرآن کی اس آیت کے مصداق ہوتی ہے، جس میں فرمایا گیا ہے کہ تم کہو کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔

اللہ کا طالب اخلاص کا پیکر ہوتا ہے، اللہ اور اس کے دین کے علاوہ کوئی بات بھی اس کی طبیعت سے میلان نہیں رکھتی، اس کی تو حالت یہ ہوتی ہے کہ اس کے دل میں اللہ سے محبت میں کمی واقع ہوتی ہے تو اس کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے، بے تابی اس کا احاطہ کر لیتی ہے، قرآن وسنت واحادیث اس کا دستور العمل ہوتا ہے، وہ اللہ کی محبت کے پیام کو عام کرنے کے لئے اپنی زندگی وقف کرتا ہے، اللہ سے والہانہ محبت اسے ایسا کرنے پر مجبور کرتی ہے، وہ اللہ کی شانِ عظمت سے لرزاں وترساں رہتا ہے، وہ قرآن پڑھتا ہے تو اللہ کی شان عظمت کو دیکھکر وہ کانپ جاتا ہے، وہ سلف صالحین کی قرآن وسنت کی تشریح ہی کو اپنا ورثہ سمجھتا ہے، قرآن وسنت کی عقلیت پر مبنی تشریح، جو اللہ کی محبت، دل کی گہرائی اور خشیت کو اہمیت نہ دیتی ہو، وہ اس طرح کی تشریح کو غلط سمجھتا ہے، اس طرح کی قرآن وسنت کی تشریح کو صحیح اسلامی مزاج کے حامل افراد کی تیاری کی راہ میں رکاوٹ سمجھتا ہے، اللہ کا مخلص طالب چونکہ زندگی کا قابل ذکر حصہ راہ محبت میں چل کر، نفسی قوتوں کو آتش عشق میں بڑی حد تک جلانے میں کامیاب ہوتا ہے، اس لئے وہ زندگی کے ہر موڑ پر نفسی قوتوں سے چوکنا رہتا ہے، وہ مادیت پرستی کے ماحول سے ہر ممکن حد تک دور رہتا ہے، اس کی نظر میں دنیا میں برپا ہونے والا سارا فساد نفسی قوتوں ہی کا برپا کردہ ہوتا ہے، جب بہت سارے نفس پرست افراد مل جاتے ہیں تو اس سے مادیت پرستی پر مبنی معاشرہ اور ریاست وجود میں آتی ہے، اللہ کا طالب اس طرح کے معاشرے کو اسلام کے لئے چیلنج سمجھتا ہے۔

اللہ کے طالب کے مزاج کی تشکیل اللہ سے محبت کی بنیاد پر ہوتی ہے، اس لئے اس محبت سے منافی ہر چیز اسے اپنی طرف مانوس کرنے میں ناکام ثابت ہوتی ہے، اللہ کا طالب بے شمار

مدوجزر سے گذرا ہوتا ہے، نفسی قوتیں دورانِ سلوک اس پر اپنے سارے تیر آزما چکی ہوتی ہیں، ان تیروں سے اس کا دل چھلنی ہو چکا ہوتا ہے، اللہ کے فضل خاص اور استقامت کے مظاہرے سے اب وہ اس حالت تک پہنچا ہے، جسے نفس مطمئنہ کا مقام کہا جاتا ہے، اس دنیا میں نفس مطمئنہ کے مقام سے بڑھکر کوئی سعادت نہیں ہے، اس سعادت کے حصول کے لئے اگر بیس بائیس سال تک کے شب وروز کے مجاہدوں سے کام لینا پڑے تو سستا سودہ ہے، اگرچہ فطرت سلیمہ کے حامل بعض افراد کو یہ مقام دس بارہ سال کے شب وروز کے مجاہدوں سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

اللہ کے طالب کا سفر اس اعتبار سے اہم اور قیمتی ہے کہ برسوں تک اس کی حالت یہ رہی ہے کہ وہ اللہ کے جلالی وجمالی صفات کے عکس کی حالت میں رہا ہے، اس کی روزمرہ زندگی میں اس کے ساتھ یہ معاملہ رہا ہے کہ کبھی تو اس پر پہاڑ کرنے لگتا ہے تو وہ محسوس کرتا ہے گویا اسے تنکہ لگا ہے۔ بعض اوقات اسے تنکہ لگتا ہے تو وہ اپنے اوپر پہاڑ گرتا ہوا محسوس کرتا ہے، یہ سفر دراصل انہی احساسات اور انہی کیفیات کے ساتھ گزرتا ہے، جب نفسی قوتوں پر روحانی اور ملکوتی قوتیں غالب آجاتی ہیں تو اللہ کے طالب کا کام بن جاتا ہے، وہ کیفیات کے مدوجزر سے بڑی حد تک محفوظ ہو جاتا ہے، اسلامی شریعت اس کے لئے آسان ہو جاتی ہے، اس کے مزاج میں نرمی، معافی اور شفقت غالب ہونے لگتی ہے، کردار میں پاکیزگی آنے لگتی ہے، آخرت کی فکر اس پر اتنی غالب ہونے لگتی ہے کہ وہ اسی فکر میں غلطاں رہنے لگتا ہے، وہ شدید متفکر ہوتا ہے کہ اللہ نے قرآن میں اپنے غضب، اپنے عتاب اور جہنم سے ایک بار ڈرانے پر اکتفا نہیں کیا ہے، بلکہ بار بار ڈرایا ہے، سینکڑوں بار ان کا ذکر فرمایا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ فرد کو آخرت میں ہولناک منظر اور ہولناک حالات سے سابقہ درپیش ہوگا، ان حالات میں محض مجاہدہ اور اعمال سے بچت کی صورت پیدا نہ ہوگی، اس کے لئے اللہ کے فضل خاص کی ضرورت ہوگی۔ بس اللہ کا طالب اس سے اس کا فضل خاص ہی طلب کرتا ہے۔

اللہ کے طالب کی خصوصیات

اللہ کا طالب وہ ہوتا ہے، جو اللہ کو اپنا حقیقی معبود اور حقیقی مقصود بناتا ہے، جو اللہ سے دل سے محبت کرتا ہے، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو زندگی کا اصل ہدف بناتا ہے، جو اللہ کے اخلاق کو اختیار کرتا ہے، تخلقوا باخلاق اللہ (حدیث شریف) جو اللہ کی عبادت کو مقصود بناتا ہے، چونکہ اللہ کو حقیقی معبود بنانے کی راہ میں نفسی اور مادیت پرست قوتیں شدید حائل ہیں، جو فرد کو مادیت کی دلدل میں مبتلا کرنے کا باعث بنتی ہے، اس لئے اللہ کا طالب ان قوتوں کے خلاف ذکر و فکر کے مجاہدوں سے کام لیتا ہے، ذکر و فکر کے مجاہدے اس کے لئے وہ ہتھیار ہوتے ہیں، جن سے وہ نفس اور مادیت کی قوتوں سے مقابلہ کر کے ان کو مات دیتا ہے۔

موجودہ دور میں مادیت کی ہمہ گیر فضا کی وجہ سے خواہشات اور مادیت کو چاہنے والے انسانوں کی اکثریت ہو گئی ہے، اس فضا کے زہریلی اثرات کی وجہ سے اللہ کو حقیقی معبود و مقصود بنانا دشوار تر ہو گیا ہے، حالانکہ مسلمان کی حیثیت سے اسلام کا پہلا مطالبہ ہی یہی ہے کہ وہ سارے باطل معبودوں کا انکار کر کے، اللہ کو حقیقی معبود بنالے اور اللہ کی عبادت اور اس کے دین کے لئے یکسو ہو جائے، لیکن مادیت پرستی کے ماحول کے غلبے کی وجہ سے مسلمانوں کی بڑی اکثریت ایسا کرنے میں ناکام ہے، حالانکہ بہت سے افراد ہیں، جو چاہتے ہیں کہ اللہ ان کا حقیقی مقصود بن جائے اور وہ اللہ کے لئے یکسو ہو جائیں، لیکن صحیح ماحول نہ ملنے کی وجہ سے وہ ایسا کرنے میں ناکام ہیں۔

اللہ کے طالب کی خصوصیات جیسا کہ عرض کیا گیا کہ اللہ کے ساتھ وفاداری کے رشتہ کو مستحکم کرنا ہے، اللہ سے والہانہ محبت کرنا ہے، اللہ کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی میں چستی

کا مظاہرہ کرنا ہے، آخرت میں اللہ سے ملاقات کی تیاری کرنی ہے، سارے دینی فرائض وواجبات چستی سے ادا کرنے ہیں، معاشرے میں نیکی کو فروغ دینے اور بُرائی کو مٹانے کے سلسلے میں اپنی صلاحیتوں کی حد تک کردار ادا کرنا ہے، اپنی ذات کو معاشرے کے لئے خیر کا ذریعہ بنانا ہے، شر کی ہر طرح کی قوتوں سے بچنے کے لئے ہر ممکن حد تک کوشاں رہنا ہے، دنیا کو راحت کا گھر بنانے کی روش سے انکار کرنا ہے، سادگی سے زندگی گزار کر، زیادہ وقت کو آخرت کی پونجی جمع کرنے میں خرچ کرنا ہے، سلیقہ انسانیت سے بہرہ ور ہونا ہے، سیرت و کردار اور اخلاق میں بہتری کے مقام پر فائز ہونا ہے، اپنی ذات سے دوسروں کو ہر طرح کی اذیت سے بچانے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہونا ہے، اپنے گھر والوں، عزیز و اقارب اور دوست واحباب سے بہتر انسان کی حیثیت سے کردار ادا کرنا ہے، معاشرے میں اللہ کے دین کے لئے ہونے والی جدوجہد میں اپنے حصہ کا کردار ادا کرنا ہے۔

یہ اور اس طرح کی مزید متعدد چیزیں اللہ کے طالب کی خصوصیات میں شامل ہیں۔

مسلمان کی حیثیت سے تو کہنے کی حد تک ہم اللہ کے طالب ہیں، لیکن عملی طور پر ہم اللہ کی حقیقی طلب سے محروم ہیں، اللہ کی طلب پیدا کرنا، یہ سب سے اولین کام ہے، جو ہمیں کرنا ہے، جب اللہ کی حقیقی طلب پیدا ہو گی تو اللہ کے صالح اور متقی افراد سے دوستانہ تعلق قائم کرنے کی فکر مندی ہو گی اور اس کی عملی صورت پیدا ہو گی، ان کی صحبت سے عبادت اور ذکر و فکر کا سلسلہ شروع ہو گا، ذکر میں چونکہ اللہ کے انوار شامل ہیں، اس لئے جوں جوں ذکر سے رغبت بڑھتی جائے گی اور ذکر میں اضافہ ہوتا جائے گا، اسی حساب سے رفتہ رفتہ مذکورہ خصوصیات پیدا ہوتی جائیں گی، بس ضرورت ہے صحبتِ فاسد کے ماحول کو بدلنے کا اور اللہ کی طلب پیدا کرنے کا۔

اللہ کی طلب پیدا کرنے کے مراکز

اللہ کا جو طالب ہمارے زیر بحث ہے، وہ، وہ طالب ہے، جو اللہ کے لئے مجاہدوں سے کام لیتا ہے، **والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا** (جو ہمارے لئے جدوجہد (مجاہدہ) کرتے ہیں ہم ان کے لئے راستہ کھول دیتے ہیں) اللہ کے لئے مجاہدوں سے کام لینے کا سب سے پہلا مرحلہ یہ ہے کہ فرد اپنے نفس کے خلاف مجاہدے کر کے، نفس سے علیحدہ ہو جائے، اور اللہ کے لئے خالص ہو جائے، اس کے اعمال میں نفس کی آمیزش باقی نہ رہے، وہ خالص اللہ کا ہو جائے، خالص اللہ کے لئے ہو جانے کا عمل ایسا ہے، جو نفس جیسی خوفناک طاقت سے شدید معرکہ آرائی کا طالب ہے، نفس کی قوت اتنی بڑی ہے کہ عزازیل اسی کی وجہ سے شیطان بنا، فرعون اور قارون اسی کی وجہ سے اللہ اور اس کے رسول کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہوئے، اور ساری قوم کو اسی بغاوت پر قائم رکھا، نفس کی اس قوت کو قابو کرنے، اسے مہذب بنانے، اسے انسانیت کے شایانِ شان بنانے اور اللہ ورسول کے تابع کرنے کے لئے غیر معمولی مجاہدوں کی ضرورت لاحق ہوتی ہے، صحابہ کرام کی تربیت اور تزکیہ اللہ کے رسول ﷺ نے کیا، اس کے بعد تزکیہ کا یہ عمل صحابہ کرام سے ہوتے ہوئے اب تک بزرگان دین میں اس کا تسلسل قائم ہے، اہل اللہ کے ہاں صحبت کے ساتھ ساتھ ذکر وفکر کے مجاہدے بھی کرائے جاتے ہیں، جس سے نفس کی قوتیں ڈھیلی پڑنا شروع ہو جاتی ہیں، اور فرعونِ نفس میں فیصلہ کن تغیر برپا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

موجودہ دور میں عقلیت کی ہمہ گیر لہر کے زیر صحبت اور ذکر وفکر کے مجاہدوں سے یا تو انکار کی روش موجود ہے، یا عملی طور پر اس سے دوری کی روش غالب ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ نفس کی اصلاح نہیں ہوتی اور نفس سرکشی پر قائم رہتا ہے، انسانی معاشرے میں برپا سارا فساد نفس کی اس سرکشی کی وجہ سے پیدا ہوا، اگر معاشرے میں فساد کی قوتوں کی روک تھام کرنا ہے تو اس کی صورت یہی ہے کہ افراد کو تزکیہ اور نفس کو مہذب بنانے کی راہ پر لانا ہے، نفس کی قوتوں کو مہذب بنانے کی صورت یہی ہے کہ صالح ماحول کو اختیار کیا جائے، ایسا صالح ماحول، جہاں ایک تو کردار کی پاکیزگی موجود ہو تو ساتھ ساتھ ذکر کے لئے ذوق وشوق کی فضا بھی پائی جاتی ہو، یعنی جس ماحول سے وابستہ ہونے کے نتیجے میں رفتہ رفتہ ذکر وفکر کا مزاج راسخ ہونے لگے، اس طرح کا ماحول حقیقی اہل اللہ اور صاحبان دل کے ہاں پایا جاتا ہے، اس ماحول کا حصہ بننے کے نتیجہ میں افراد کی اصلاح ہوتی جاتی ہے، اس طرح معاشرے کو سیرت وکردار کے اعتبار سے بہتر سے بہتر افراد ملنا شروع ہو جاتے ہیں۔

جذباتِ محبت کی خاصیت

کسی بھی مرحلے پر آکر سرد نہ ہونا

اللہ کا طالب اللہ کے بغیر بے چین رہتا ہے، وہ اللہ کے بغیر رہ نہیں سکتا، اللہ سے اس کی محبت اتنی بے پناہ ہوتی ہے کہ اس کے جذباتِ محبت کسی بھی مرحلے پر آکر سرد نہیں ہوتی، وہ جوں جوں محبت میں آگے بڑھتا ہے، اسی حساب سے اس کی محبت ارتقا پذیر ہوتی ہے، اس محبت کی کوئی حد نہیں ہوتی، طالب، اللہ کی محبت میں اس قدر مستغرق رہتا ہے کہ یہ محبت اس کی ساری شخصیت کا احاطہ کر لیتی ہے، یہی محبت اسے سراپا سوز بنا دیتی ہے، اس کے دل میں محبوبِ حقیقی کی محبت کے ساز بجتے رہتے ہیں، وہ درد محبت سے عبارت بن جاتا ہے۔

اللہ کی یہ محبت کبھی اسے رلاتی ہے تو کبھی خوشی سے سرشار کر دیتی ہے، کبھی اسے مغموم بنا دیتی ہے تو کبھی اسے امید پر ابھارتی ہے، اس کی زندگی اس محبت کے سہارے سے ہی قائم رہتی ہے۔

طالب، اللہ کی محبت کی دنیا میں کیا داخل ہوا ہے کہ یہ محبت اسے چین سے ہی رہنے نہیں دیتی، جب سے طالب کے دل میں محبوبِ حقیقی سے محبت کی یہ چنگاری لگی ہے، زندگی کی آخری سانس تک محبت کی یہ چنگاری اسے محبوب کے لئے فدائیت کی اداؤں اور اسے ایثار وقربانی پر ابھارتی رہتی ہے۔

اللہ کے طالب کی محبت جب آتش عشق اختیار کرنے لگتی ہے تو اس آتش عشق میں جہاں نفسی قوتیں جلنا شروع ہو جاتی ہیں یعنی ان کی قوت اور ان کا زور شور غیر معمولی طور پر کم ہونا شروع ہو جاتا ہے، وہاں یہ محبت اپنے کمال کے درجات تک جانا شروع ہو جاتی ہے۔ اب

محبت میں سوزش، بے قراری اور اضطراب یا تو نہیں رہتا یا کم رہتا ہے، اس لئے کہ محبت میں اضطراب اور بے قراری زیادہ تر نفسی کدورتوں کی پیدا کردہ تھی کہ وہ جان چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تھی، جب غیر معمولی مجاہدوں سے نفس کا بڑی حد تک تزکیہ ہو گیا، نفس کے بتوں کے ٹوٹ پھوٹ کے عمل میں بہتری آگئی تو اب محبوب کی محبت میں حائل رکاوٹیں اور حجابات اور ملاوٹ دور ہو گئی۔ محبت اس مرحلہ پر آتی ہے تو شخصیت یک رنگی ہو جاتی ہے اور شخصیت پر اللہ کا رنگ غالب ہو جاتا ہے، اب محبت میں ارتقا کا جو عمل جاری ہو گا، اس میں نفس کی رکاوٹیں حائل نہیں ہوں گی، چونکہ محبوب سے بے پناہ محبت فطرت کا سب سے طاقتور داعیہ اور تقاضا ہے، یہ داعیہ موت تک جاری رہے گا، بلکہ موت کے بعد بھی اس میں ارتقا ہو گی، اس لئے آتش عشق کے ذریعہ نفس کے جنگل کے جل جانے کے باوجود زوردار فطری تقاضے کے تحت محبت کا عمل جاری رہے گا۔ اس محبت سے ہی کردار میں رونق اور پاکیزگی پیدا ہو گی، اس محبت سے ہی اخلاص، للھیت اور بے نفسی میں اضافہ ہوتا رہے گا، اس محبت سے ہی تزکیہ، تقویٰ اور خشیت کے عمل میں اضافہ ہوتا رہے گا، اس محبت سے ہی اللہ کے لئے اعمال سرانجام دینے کی استعداد پیدا ہوتی رہے گی، اس محبت سے ہی اسلامی احکامات اور تعلیمات پر عمل پیرا ہونا آسان ہو گا۔ اس محبت سے ہی زندگی میں توازن، اعتدال، ٹھہراؤ اور سلیقہ پیدا ہو گا، اسی محبت سے انسانیت کے سارے اوصاف پیدا ہوں گے۔

اللہ کی یہ محبت ایسی ہے جو اللہ کے طالب کو جوہر انسانیت کا حامل بنا دیتی ہے۔

اللہ کا وہ طالب جو مستقل مزاجی سے راہ محبت میں چلتا رہتا ہے، اس راہ میں چلتے ہوئے، وہ تھکنے کا نام نہیں لیتا، وہ جسمانی طور پر تھک جاتا ہے تو تھوڑا آرام کرنے کے بعد پھر چلنا شروع کر دیتا ہے، دنیا میں اس سے بڑھکر خوش نصیب فرد کوئی نہیں ہو سکتا، اللہ نے اس پر اپنی محبت

کا دروازہ کھول کر اس پر گویا ساری نعمتیں مکمل کر دیں، اس لئے کہ اللہ کی محبت اپنے ساتھ اللہ کے انوار حسن لاتی ہے، طالب ان انوار حسن میں اتنا مستغرق رہنے لگتا ہے کہ اس کے لئے دنیا کے بڑے سے بڑے مسائل اور مصائب بھی ہیچ ہوتے ہیں۔

لیکن آتش عشق میں جلنے کے لئے حوصلہ، ہمت، شجاعت اور استقامت چاہئے، اس لئے کہ جب طالب، محبت کی راہ پر چلنا شروع کر دیتا ہے تو نفس، شیطان اور مادیت کی قوتیں شدید مزاحمت شروع کر دیتی ہیں، وہ طالب کے لئے اس راہ میں چلنے کے لئے مسلسل رکاوٹیں ڈالتی رہتی ہیں، اس راہ میں تو وہی طالب چل سکتا ہے، جو اللہ کے لئے بے پناہ طلب رکھتا ہو، ایسی طلب جو اسے ہر طرح کے حالات میں چلنے پر ابھارتی واکساتی رہے، اگر اس طرح کی طلب پیدا ہو جائے تو اللہ کی طرف سے طالب پر جذب (یعنی کشش) کا عمل شروع ہو جاتا ہے، جذب کا یہ عمل طالب پر بے خودی کی حالت طاری کر دیتا ہے، جب بے خودی کی یہ حالت طالب پر غالب ہوتی ہے تو راہ محبت کے مراحل اس کے لئے آسان ہو جاتے ہیں۔ اس پر ذوق وشوق کی ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ ہر طرح کی نفسی ومادی قوتوں کا مقابلہ کر کے وہ مجاہدوں کی راہ پر گامزن ہونے لگتا ہے پندرہ بیس سال کا یہ سفر اس طرح طے ہو جاتا ہے کہ وہ خود حیرت زدہ ہو جاتا ہے کہ محبت کے جس ارتقائی راہ کو وہ ناممکن سمجھتا تھا، وہ کس آسانی سے طے ہو گئی۔ **ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء** اللہ کا طالب یہ سمجھتا ہے، جس کی تائید قرآن وسنت سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ نے یہ کائنات اس لئے سجائی ہے تاکہ اللہ کی محبت کے ذریعہ اللہ کی عبادت واطاعت کو وظیفہ اور مقصود بنانے والے انسانوں کو جدا کرے اور نفس کی خواہشات اور دنیا کی محبت کے علمبرداروں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرے اور ان دونوں کو دائمی دنیا میں بدلہ دیدے۔

دنیا کا طالب

اس کی زندگی کے خطوط اور حسرتیں

دنیا کا طالب دراصل خواہشاتِ نفس کو مقصود اور معبود بنالیتا ہے، دنیا اسے اس لئے محبوب ہوتی ہے کہ اس سے خواہشات نفس کو تسکین ملتی ہے، دنیا کے طالب کی ساری سرگرمیوں کا ہدف مادی خوشحالی اور دنیا کی زیب وزینت کا سامان ہوتا ہے۔ وہ اپنا دل، دولت اور دنیا کو دے چکا ہوتا ہے، اس کے دل اور ذہن پر ہر وقت مادی دنیا کے مفادات کا غلبہ رہتا ہے۔ وہ اللہ کی محبت سے ناآشنا ہو کر، دنیا پر ٹوٹ پڑتا ہے۔ وہ دنیا اور سامان دنیا پر فریفتہ ہوتا ہے اور حرص وہوس کے مرض میں مبتلا ہوتا ہے۔ اسے جتنی بھی دنیا ملتی ہے، وہ اس سے مزید دنیا کا طالب ہوتا ہے اور اس کے لئے کوشاں بھی۔

وہ آخرت کے خسارہ کی قیمت پر دنیا چاہتا ہے، چونکہ اس پر دنیا کا نشہ غالب ہوتا ہے، اس لئے اس پر ہمہ وقت دنیا کی فکر غالب رہتی ہے، اس کی ساری ذہنی و عملی توانائیاں اسی میں صرف ہوتی ہیں، دنیا کی ساری نعمتوں سے متمتع ہونے کے باوجود چونکہ انسان کی ضروریات محدود ہوتی ہیں اور اس کی لذت کا دائرہ بھی محدود ہوتا ہے، اس لئے بے پناہ دنیا کے ہوتے ہوئے بھی وہ دنیا اس کے کام کی نہیں ہوتی، اس دنیا سے سوائے اس کے کہ وہ دوسروں پر برتری اور فوقیت حاصل کرے اور مالداری کے غرور میں مبتلا ہو، اس دنیا کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

دنیا کا طالب دل کا غریب اور مسکین ہوتا ہے، اس لئے کہ اس کی دولت میں معمولی بھی کمی واقع ہوتی ہے تو اس کا دل کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے، وہ شدید افسردگی اور مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے۔

دولت اور دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دینا، قرآن کی رو سے یہ اپنے لئے جہنم خریدنا ہے۔

اس کی سزا اس دنیا میں بھی یہ ملتی ہے کہ سکون قلبی سلب ہو جاتا ہے، ذہنی دباؤ اور فکر مندی بڑھ جاتی ہے، بعض اوقات نیند تک حرام ہو جاتی ہے۔

قرآن میں ہے کہ ہم ان کو اولاد اور دولت (کی کثرت) دے کر دنیا میں ہی عذاب دینا چاہتے ہیں۔

دنیا کے طالبوں پر دنیا کی فکر کو مسلط کر کے، انہیں ذہنی ونفسیاتی امراض میں مبتلا کیا جاتا ہے، ان کے مزاج میں اللہ سے سرکشی اور اللہ کے بندوں سے معاونت کی روح سلب کر لی جاتی ہے، ان کی دولت دنیا میں فساد برپا کرنے اور اللہ کے بندوں کے حقوق سلب کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

دولت کے طالب فطرت میں موجود طاقتور داعیے اللہ سے محبت سے محرومی کی وجہ سے بہت سارے جسمانی وروحانی امراض کا شکار ہوتے ہیں۔ بظاہر وہ بڑے بڑے بنگلوں میں رہتے ہیں اور خوبصورت گاڑیوں میں چلتے ہوئے نظر آتے ہیں، لیکن بباطن وہ اداسی، احساس تنہائی اور مایوسی کا شکار رہتے ہیں۔

دولت سے حریصانہ محبت کی یہ وہ سزا ہے، جو انہیں قدرت کی طرف سے دی جاتی ہے۔ پھر دولت سے وہ ملک کی سیاست اور ملک کی معاشی پالیسیوں پر اثر انداز ہو کر، اللہ کی

مخلوق کو روٹی کے نوالے کا محتاج بناتے ہیں، ایسے افراد کو آخرت میں دردناک عذاب کی نوید سنائی گئی ہے۔

دنیا کا طالب دراصل دنیا کی محبت کا اسیر اور اس کا مریض ہوتا ہے، دنیا کی محبت اپنے ساتھ جتنی بھی بُرائیاں لائے کم ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے درہم ودینار کے بندے کو بددعا دی ہے کہ وہ گرے اور نہ اٹھے، اگرچہ دولتمندوں نے ہر دور میں حق کو جھٹلانے، اللہ سے سرکشی اختیار کرنے اور اللہ کی زمین میں فساد برپا کرنے کا کردار ادا کیا ہے، اس لئے کہ دولت اور طاقت کا نشہ انہیں ایسا کرنے پر مجبور کرتا رہا ہے، لیکن موجودہ دور میں دولتمندوں نے عالمی سطح سے لے کر قوموں اور ملکوں کی سطح پر جو فساد برپا کیا ہے، وہ غیر معمولی ہے۔

موجودہ دور میں مادیت کے عالمگیر ماحول نے لگ بھگ ہر فرد کو دولت کا پرستار بنا دیا ہے، امیر ہو یا غریب، ہر فرد کی نفسیات یہ ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ دولت چاہتا ہے، امیر کے پاس دولت موجود ہے، اس لئے وہ عام طور پر فرعونی مزاج کا حامل ہو گیا ہے، غریب کے پاس دولت نہیں ہے، اس لئے وہ مسکین طبیعت کا حامل نظر آتا ہے۔

دولت کی بہت ساری خرابیوں کی وجہ سے دولت اور دنیا کی طلب سے بچنا چاہئے۔ دل سے دنیا کی محبت نکلنے کے بعد دولت آجائے تو کوئی ہرج نہیں، بلکہ اس طرح کی دولت بنیادی ضروریات کے بعد خیر کے کاموں میں صرف ہو گی۔

اللہ کے طالب کے اہداف

اللہ کے طالب کے اہداف یہ ہیں (۱) نفسی قوتوں کو پامال کرنا (۲) نفس امارہ سے لوامہ اور لوامہ سے نفس مطمئنہ تک پہنچنے کے لئے غیر معمولی مجاہدوں سے کام لینا (۳) اللہ کی رضا کے مقصد کے حصول کے لئے کوشاں ہونا، یعنی سارے کاموں میں مقصود اللہ کی رضا کا ہونا (۴) اللہ کی محبت کے ارتقائی مراحل طے کرنا، اور اس معاملے میں صبر آزما مجاہدوں سے کام لینا (۵) آخرت میں اللہ سے ملاقات کے لئے تیاری کرنا اور زندگی کے ہر موڑ پر اللہ سے ملاقات کے استحضار کا قائم ہونا (۶) اسلامی شریعت پر عمل پیرا ہونے کے لئے کوشاں ہونا، یہاں تک کہ اسلامی شریعت کے احکام مزاج کا حصہ بن جائیں اور ان کا ملکہ مستحکم ہو جائے (۷) اخلاق حسنہ کا حامل ہونا، یعنی شخصیت میں اتنی پاکیزگی پیدا ہو جائے کہ شخصیت سے پاکیزہ اخلاق کا صدور ہونے لگے۔

(۸) باطنی بیماریوں حب جاہ، حب مال، حرص وہوس، حسد وجلن اور خود نمائی وخود ثنائی، اپنے آپ کو افضل سمجھنے اور دوسروں کی تحقیر جیسی بُرائیوں سے بڑی حد تک بچنے کی استعداد کا حاصل ہونا، (۹) تزکیہ، تقویٰ اور خشیت کی حالت کا غالب ہونا۔

(۱۰) دین کے معاملے میں حمیت کا پیدا ہونا، یعنی جب دینی احکام پامال ہوتے ہوں تو اس وقت طبیعت میں سخت تکدر کا پیدا ہونا، اور اس سلسلے میں اپنے حصہ کا کردار ادا کرنا۔

ان اہداف کے حصول کا طریقہ

اگر طالب کی فطرت سلیمہ محفوظ ہے یا شروع سے اس کی تربیت کی بہتر تشکیل ہوئی ہو تو اس طرح کے طالب کے لئے تہجد، عبادت میں انہماک اور مسلسل خود احتسابی سے کام لیتے رہنے سے اسے یہ اہداف حاصل ہو سکتے ہیں، لیکن عام طور پر افراد کو جو ماحول ملتا ہے، وہ نفس پرستی اور مادیت پرستی پر مشتمل ماحول ہوتا ہے، جس میں فرد کی فطرت سلیمہ کے اجزاء محفوظ نہیں ہوتے، اس کی صحیح خطوط پر تربیت میں سخت رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ان حالات میں یہ اہداف صحبت اہل اللہ اور کثرت ذکر کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتے ہیں، صحبت اہل اللہ سے ان کی طاقتور صحتمند شعائیں منتقل ہوں گی، جس سے باطنی بیماریوں کا ادراک حاصل ہو گا اور ان بیماریوں سے نجات کی صورت پیدا ہوتی جائے گی۔ اس کا دوسرا فائدہ یہ ہو گا کہ فرد کو ذکر و فکر کا ماحول میسر ہو گا۔ اور ذکر میں ذوق و شوق کی فضا پیدا ہو گی۔ پاکیزہ صحبت کے اثرات اور ذکر و فکر کا نور مل کر، فرد کی ایمانی اور روحانی قوتوں کو مجتمع کر کے، نفسی قوتوں کو اللہ و رسول کے تابع بنانے میں فیصلہ کن کردار ادا کریں گے، امت میں تزکیہ اور اصلاح نفس کی یہی صورت مروج رہی ہے۔ تزکیہ اور اصلاح نفس کے لئے یہ امت کا ایسا تسلسل ہے، جس کی کوئی کڑی ٹوٹی ہوئی نہیں ہے۔

اللہ کے حقیقی طالب کی اصل فکر مندی

اللہ کے طالب کو مذکورہ اہداف اتنے عزیز ہوتے ہیں کہ وہ اپنی بیشتر صلاحیتیں ذکر و فکر کے مجاہدوں میں صرف کر دیتا ہے۔ جب تک اسے ایک حد تک اللہ کے قرب کا مقام حاصل نہیں ہوتا، اسلامی شریعت پر عمل پیرا ہونا، اس کے لئے آسان نہیں ہوتا، ہر طرح کے منکر سے بچاؤ کی صورت پیدا نہیں ہوتی، تب تک وہ مجاہدوں میں مستغرق رہتا ہے، وہ اپنے ایک ایک لمحے کے صحیح استعمال کے لئے فکر مند ہوتا ہے، وہ وقت کو سرمایہ حیات سمجھتا ہے۔ ایسا سرمایہ حیات، جس سے آخرت کی ابدی زندگی کے لئے توشہ جمع کیا جا سکتا ہے، اس سرمایہ حیات کو وہ گفتگو برائے گفتگو، روایتی مجلسوں اور روایتی سیاسی تبصروں یا معاشی خوشحالی کی جدوجہد میں صرف نہیں کرتا، بلکہ وقت کی قدر کرتے ہوئے، اللہ کا طالب اللہ کی راہ میں مسلسل چلتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ فنائے نفس یعنی نفسی قوتوں کی پامالی کے مقام تک پہنچ جاتا ہے، اس کے بعد اس کی جدوجہد کے رخ میں کچھ تبدیلی آجاتی ہے، وہ تبدیلی یہ ہے کہ اب وہ دوسروں کی تربیت کے کام کو اہمیت دیتا ہے، اس کی آرزو ہوتی ہے کہ اللہ کی طلب رکھنے والے طالب سامنے آئیں، تاکہ ان کی تربیت کر کے، انہیں اپنی ذات اور معاشرے کے لئے کارآمد و مفید بنایا جا سکے، اگرچہ بدقسمتی سے معاشرے میں اللہ کی محبت کی حقیقی طلب باقی نہیں رہی ہے اور مادیت پرستی کی قوتوں نے افراد کو اللہ سے بے گانہ کر دیا ہے، عام طور پر ہماری حالت یہ ہے کہ مختلف روحانی اور باطنی بیماریوں میں جکڑ جائیں گے اور موت کے قریب پہنچ جائیں گے، لیکن ہم اللہ کی محبت کی دنیا میں داخل ہو کر، تزکیہ جیسے نصیب العینی کام کی طرف آنے کے لئے تیار نہ ہوں گے، تاہم اللہ کے حقیقی طالب یعنی صاحب دل شخصیت کو گنتی کے جو چند خوش نصیب طالب مل جاتے ہیں، وہ ان کو بھی غنیمت سمجھتا ہے، اور وہ ان کی تربیت میں وقت صرف کرتا ہے۔

اللہ کے طالب کے حالات
ایک نظر میں

اللہ کے طالب کا سفر ایسا ہے، جس میں اللہ کے شان جلال کے غلبہ کی وجہ سے روزانہ رونا دھونا پڑتا ہے اور نفسی قوتوں کی شہ زوری کے خلاف روزانہ اللہ سے فریاد کرنی پڑتی ہے، اس لئے کہ یہ قوتیں کسی صورت میں جان چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتی، طالب جب تک ذکر کی حالت میں ہے، تب تک تو نفس قابو میں رہتا ہے، جوں ہی ذکر سے غفلت ہوتی ہے، نفسی قوتیں حملہ آور ہو کر، طالب کو حب جاہ وحب مال اور حرص وحسد میں مبتلا کر کے، اس کے دل کو زیر وزبر کر دیتی ہیں اور اس کے ذہنی دباؤ میں اضافہ کر دیتی ہیں۔ اللہ کی راہ محبت میں طالب کی وہ حالت ہو جاتی ہے کہ گویا وہ روزانہ مرتا ہے، روزانہ زندہ ہوتا ہے، مرنے اور زندہ ہونے کا یہ عمل اس کے ساتھ کئی بار ہوتا ہے، مرنے کا یہ عمل جسمانی طور پر نہیں ہوتا، بلکہ دل پر جب اللہ کے انوار رک جاتے ہیں، یا انوار کی سلبی ہو جاتی ہے اور اللہ کی جلالی صفت کا عکس غالب ہونے لگتا ہے تو دل موت کے سے حالات سے دوچار ہونے لگتا ہے، ساتھ ساتھ جب دل پر انوار کا نزول ہونے لگتا ہے اور دل پر اللہ کے جمالی صفت کا عکس پڑنے لگتا ہے تو طالب خوشی ومسرت کے بے پناہ احساسات سے سرشار ہونے لگتا ہے۔

محبوب کے جلال کے عکس کو برداشت کرنا، یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے، یہ خوش نصیب افراد ہی کا کام ہوتا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ نفسی قوتوں کی سرکشی میں کمی جلال کے تیروں کے بغیر نہیں ہو سکتی، اس لئے کہ نفس کی سرشت میں ہی سرکشی، بغاوت اور جذبہ الوھیت رکھدیا گیا ہے، اور فرمایا گیا ہے کہ نفس کی الوھیت سے دستبردار ہو کر اللہ کی الوھیت کے سامنے سر تسلیم خم کر لو اور دل وجان سے اللہ کو حقیقی معبود بنالو اور اپنے دل کے رخ کو ہمہ وقت اسی کی طرف کر لو۔ اللہ کے طالب کا سفر اس اعتبار سے سب سے زیادہ اہم، قیمتی اور

انوکھا سفر ہے کہ طالب بالآخر نفس کی ساری قوتوں کو تابع بنا کر، اللہ کو اپنا حقیقی معبود بنانے اور بندگی کے صحیح معنیٰ میں آداب بجالانے میں بڑی حد تک کامیاب ہوتا ہے، اگرچہ اس میں کافی وقت لگتا ہے اور غیر معمولی مجاہدوں سے کام لینا پڑتا ہے، لیکن اللہ بڑا قدر دان ہے وہ بالآخر طالب کو منزل مقصود تک پہنچا ہی دیتا ہے۔

یہ سفر اس اعتبار سے بھی عبرت انگیز اور حیرت انگیز ہے کہ طالب، نفس کے سارے مدوجزر اور اس کے مکر وفریب کی ساری واردات سے آشنا ہو کر، افراد کی طرف سے معاشرے اور قوموں وملکوں میں برپا ہونے والے سارے فساد کی تہہ تک پہنچ جاتا ہے، اس لئے وہ سمجھتا ہے کہ جب تک افراد، نفسی قوتوں کو مفتوح کرنے اور اللہ کی محبت کی راہ اختیار نہیں کریں گے، تب تک معاشرے میں فساد کی روک تھام اور مال ودولت اور عزت وشہرت اور اپنی بڑائی کی نفسیات کی خاطر ٹکراؤ سے بچاؤ کی کوئی صورت پیدا نہیں سکتی۔

اللہ نے نفس کی ساخت میں ہی فساد، انتشار، ٹکراؤ اور اپنی شخصیت کی پرستش کے جذبات بھر دیئے ہیں، پھر حکم دیا ہے کہ نفس کی ان خرابیوں کا تزکیہ کر کے میرے پاس پاکیزہ دل اور نفس کی پاکیزہ حالت میں آؤ تو تمہیں نفس مطمئنہ اور قلب سلیم کی نعمت عظمیٰ عطا فرمائی جائے گی، اور دنیا میں حیاہ طیبہ نصیب کی جائے گی اور آخرت میں اپنے دیدار سے نوازا جائے گا، اور ابدی زندگی میں ہر طرح کی نعمتوں سے نوازا جائے گا۔

نفس کو مطیع کرنے کے لئے چند سالوں کے ذکر وفکر کے مجاہدوں کے نتیجہ میں ملنے والا انعام کہ اللہ کا دیدار حاصل ہو اور جنت کی نعمتوں سے فیضیابی ہو، یہ انتہائی سستا سودہ ہے، بلکہ دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ سب سے سستا سودہ ہے، لیکن کتنے افراد ہیں، جو اتنے بڑے انعام اور ابدی زندگی کی نعمتوں اور اللہ کے دیدار کی خاطر چند سالہ مجاہدوں کے ذریعہ نفسی قوتوں سے دستبردار ہونے کے لئے تیار ہوں، یہ اللہ کے ساتھ اتنی بے قدری کا معاملہ ہے، جس پر زمین وآسمان نوحہ کناں ہے۔

اللہ کے طالب کے تین اہم کام

اللہ کے طالب کے دستور العمل میں شروع میں ذکر و فکر شامل ہوتا ہے، جب ذکر و فکر کی کثرت سے نفسی قوتیں قابو میں آجاتی ہیں تو اس کے بعد قرآن کی تلاوت اور نماز میں انہماک اس کا دستور العمل ہو جاتا ہے، اگر طالب اس ترتیب کی خلاف ورزی کرے گا تو وسوسے اور خیالات کا ہجوم اسے گھیر لیتا ہے، اگر نفس کی قابل ذکر اصلاح کے باوجود اس نے قرآن سے تعلق مستحکم نہ کیا تو اللہ کی طرف اس کی مزید ترقی رک جاتی ہے، قرآن کی تلاوت اور اس میں غور و فکر کا حقیقی فائدہ ذکر و فکر کے مجاہدوں کے بعد ہی ہوتا ہے، اس لئے کہ ذکر و فکر سے نفس کے حجابات دور ہو جانے کی وجہ سے قرآن میں موجود نور کو اخذ کرنے دل کی صلاحیت میں اضافہ ہو جاتا ہے، اب طالب قرآن کی تلاوت اور اس میں غور و فکر کے ذریعہ اللہ سے گویا ہم کلام ہوتا ہے، اس کے نام اللہ کا جو پیام ہوتا ہے، وہ اس پیام کو دل کی گہرائیوں سے سنتا اور زندگی کو اس پیام کے مطابق تشکیل دینے کے لئے کوشاں ہوتا ہے، اب قرآن کی تلاوت اس کا وظیفہ بن جاتی ہے، قرآن کے بغیر وہ رہ نہیں سکتا، قرآن اس کے ایمان میں تجدید کا ذریعہ ثابت ہوتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ طالب کا تیسرا اہم کام دوسروں کو اللہ کے پیام کی یاددہانی کرانی ہے اور دعوتی کام کے ذریعہ معاشرے میں خیر کو فروغ دینے کے لئے کوشاں ہونا ہے، اس کی نظر میں اللہ کے بندوں سے بڑی خیر خواہی یہ ہے کہ انہیں اللہ کی محبت کی حلاوت سے آشنا کیا جائے، راہ محبت کی دعوت دی جائے، دین کے فرائض کی ادائیگی کی طرف بلایا جائے، یہ کام زبان کے ذریعہ ہو یا تحریر کے ذریعہ، دونوں میں سے جو بھی صورت بہتر ہو، وہ اختیار کی جائے۔

اللہ کے طالب کے دستور العمل کے یہ تینوں حصے اہم ہیں، اس کی زندگی ان تینوں سے عبارت ہوتی ہے۔

فرائض، واجبات اور سنن کی ادائیگی یہ تو مسلمان کی حیثیت سے ابتدا ہی سے اس کے دستور العمل کا حصہ ہوتا ہے، اس کے بغیر اسلام و ایمان کی حالت کا قائم ہونا ہی محال ہے۔

اللہ کا طالب اگر قرآن سے تعلق قائم رکھنے میں کوتاہی اور سستی کا مظاہرہ کرے گا، بالخصوص ذکر و فکر کے قابل ذکر مجاہدوں کے بعد تو ذکر و فکر سے اسے جو توانائی ملی تھی، وہ مدہم ہونا شروع ہو جائے گی اور ذکر و فکر سے اسے جو نور حاصل ہوا ہے وہ بھی مضمحل ہونا شروع ہو گا، اس لئے کہ اللہ کی کتاب سے بڑھکر نور اور توانائی کا مرکز اور کوئی نہیں، نور اور توانائی کے اس مرکز سے تعلق نہ ہونے کی وجہ سے اللہ کا طالب بے قراری اور ذہنی دباؤ اور قلبی اضطراب کا شکار ہو گا، ذکر کو اگرچہ مقصود کا درجہ حاصل ہے، لیکن منتہی طالب کا سب سے افضل ذکر قرآن کی تلاوت اور اس پر غور و فکر ہے، قرآن دل اور سینے کی ساری بیماریوں سے شفایابی کا مؤثر ترین ذریعہ ہے، اہل اللہ کی صحبت اور ذکر و فکر کے مجاہدوں کے بعد قرآن سے مستحکم تعلق سے صاحب علم شخصیت کو سب سے بڑا نفع جو ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ قرآن سے سلف صالحین سے متضاد نصب العین یا اہداف اخذ کرنے یا اسلام کے سلف صالحین کی حقیقی ترتیب کو تبدیل کر کے، اپنے ذہن سے ماخوذ نئی ترتیب متعین کرنے کی علمی کجی سے وہ محفوظ ہو جاتا ہے، اب وہ قرآن کے صحیح مفہوم اور اس کی روح تک پہنچ جاتا ہے، قرآن و سنت کو وہ کامل و مکمل دین سمجھتا ہے، جسے جدید اصطلاح میں نظام زندگی بھی کہہ سکتے ہیں، اس مکمل دین کا سب سے بڑا ہدف فرد کا تزکیہ ہے اور اس کے نفس کو مہذب بنا کر، اسے اللہ و رسول کی اطاعت میں دینا ہے، وہ عبادت اور تعلق باللہ کو اسلام کی روح سمجھتا ہے، جہاد کو دین کے تحفظ کا ذریعہ سمجھتا ہے، حالات کی مناسبت سے جہاد بمعنیٰ قتال کی حیثیت فرض کی سی ہو جاتی ہے۔

معاملات میں بہتری کو وہ اسلام کا اہم تقاضا سمجھتا ہے، دعوتی کام کو بھی دینی فرائض میں شمار کرتا ہے۔

غرض کہ وہ ردعمل کا شکار ہو کر نہ تو قرآن کی سیاسی تشریح میں قوت صرف کرتا ہے اور نہ ہی قرآن کو محض تزکیہ، اصلاح نفس اور تعلق باللہ تک محدود سمجھتا ہے، نیز وہ قرآن سے سیکولرزم کے تصورات اخذ کرنے کی حماقت کا بھی مرتکب نہیں ہوتا۔

بدقسمتی سے اس دور میں قرآن سے زیادتی یہ ہوئی ہے کہ اس سے نئے نئے اہداف متعین کئے گئے ہیں، جو سب نتیجہ ہیں اہل اللہ کے زیر اثر ذکر و فکر کے مجاہدوں کے ذریعہ حجابات کے دور نہ ہونے کا۔

ریاست اور معاشرے کو بچانے کی ایک ہی صورت
اللہ کے طالب کی نظر میں

اللہ کے طالب کی نظر میں موجودہ دور کے انسان کا ایک المیہ یہ ہے کہ وہ جدید علوم کے حصول کے لئے تو پندرہ بیس سال صرف کرے گا، خود دینی علوم کے لئے بھی دس بارہ سال صرف کرے گا، لیکن تزکیہ یعنی نفس کو سنوارنے اور اسے مہذب بنانے کے لئے ایک سال بھی صرف کرنے کے لئے تیار نہ ہوگا، علوم کے فائدہ سے انکار نہیں، لیکن تزکیہ ایسی چیز ہے، جو بندہ مؤمن کا نصب العینی کام ہے، تزکیہ کے بغیر فرد کی وہ حالت ہو جاتی ہے کہ وہ دولت پر ٹوٹ پڑتا ہے، اور انسانی اقدار کو آخری حد تک پامال کرنے لگتا ہے، ذاتی مفادات کی خاطر انسانوں سے ٹکراؤ اور تصادم اس کا وظیفہ بن جاتا ہے، کاغذ کے نوٹوں کے حصول کے لئے انسانوں کو بھوکا مارنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے، سیاست، انتظامیہ، تجارت، صنعت اور ٹیکنالوجی وغیرہ کا مقصود دولت کے انبار جمع کرنا ہو جاتا ہے، مقتدر طبقات کے مفادات کا نتیجہ ہوتا ہے کہ مہنگائی کا عذاب مسلط ہو جاتا ہے اور لوگوں سے چیخیں نکل پڑتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ تزکیہ کے بغیر فرد درندگی کی سطح تک اتر آتا ہے اور اپنے جیسے انسانوں کو بھوکا مارنے کی قیمت پر دولت حاصل کرتا ہے، اور اس کو اپنی سب سے بڑی کامیابی تصور کرنے لگتا ہے۔

تزکیہ کے کام کو اہمیت نہ دی جائے گی تو معاشرے کی سطح سے لے کر ریاست کی سطح تک کہرام برپا ہوگا اور حالات کو بہتر بنانے کی ساری اسکیمیں اور تدبیریں ناکامی سے دوچار ہوں گی، اور ہر نئی حکومت پہلی حکومت سے زیادہ بدتر ثابت ہوگی۔

انسان کو انسان بنانے کا کام ایسا ہے، جو کتابی علم کے دائرہ کار سے باہر ہے اور یہ کام ایسا ہے جو انسانی عقل کے بس کی بھی بات نہیں ہے، بلکہ اس کام کا تعلق انسانی شخصیت میں موجود حیوانی اور جبلی قوتوں پر قابو پاکر، انہیں انسانیت کے شایانِ شان اور مہذب بنانے سے ہے، انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد ہی یہی تھا کہ انسان کا تزکیہ ہو اور اس کے نفس کو پاکیزہ بنایا جائے، تاکہ اپنے مولا کے ساتھ اس کی وفاداری کا رشتہ قائم ہو اور اپنے جیسے انسانوں کے لئے وہ بہتر انسان ثابت ہو۔

موجودہ دور میں یہی وہ کام ہے، جسے حکومت، تعلیمی ماہروں، ملک کی مقتدر حلقوں اور خود دینی مدارس کے ذمہ داروں نے فراموش کر دیا ہے، معاشرے میں موجودہ ہر سطح کا بحران اسی ایک بڑی غلطی کا نتیجہ ہے، اللہ کا طالب قرآن وسنت اور اپنی تاریخ کے مطالعے اور اپنے ذاتی مشاہدے کی بنا پر سمجھتا ہے کہ جب تک ہمارے ذمہ دار طبقات افراد کے تزکیہ کے کام کو فیصلہ کن اہمیت نہیں دیں گے، معاشرے کا بگاڑ ہمہ جہتی اور ہمہ گیر ہوتا جائے گا۔ ایک وقت ایسا آئے گا کہ معاشرہ یا تو انارکی سے دوچار ہوگا یا پھر ریاست غلامی کے نئی زنجیروں میں کس دی جائے گی۔

مسئلہ کی نزاکت کو سمجھنے کی ضرورت ہے، اس مسئلہ کو عقلِ محض سے سمجھنا دشوار ہوگا، اس کے لئے دل کی صلاحیتوں کی بیداری کی ضرورت ہے، کاش کہ ہمارے مؤثر طبقات میں دلِ بینا کے حامل افراد موجود ہوں، جو افراد معاشرہ کے رخ کو تزکیہ اور نفس کی پاکیزگی کے کام کی طرف موڑنے کے لئے منصوبہ بندی سے کام شروع کریں۔

طالب پر
نفس کے ہونے والے حملے

طالب کو ابتدائی مرحلے میں یعنی شروعات میں نفس کے شدید حملوں کا شکار ہونا پڑتا ہے، نفس کے یہ حملے ذہن کے ذریعہ ہوتے ہیں، اس لئے کہ ذہن ہر وقت فعال اور متحرک رہتا ہے، نفس ذہن کی اس فعالیت کے پیش نظر اسے اغویٰ کر لیتا ہے، طالب، جب راہ محبت میں ذکر و فکر کے مجاہدوں کا راستہ اختیار کرتا ہے تو نفس طالب کے سامنے عقل کے ذریعہ خیالات اور وسوسوں کا ہجوم لا کھڑا کر دیتا ہے، جس سے طالب کی ذکر کے سلسلے میں یکسانیت متاثر ہوتی ہے، خیالات اور وسوسوں کا ایک ہجوم ہوتا ہے، جو طالب کو گھیر لیتا ہے، یہ خیالات طالب کے لئے دل کی گہرائیوں تک پہنچنے کی راہ میں شدید حائل ہوتے ہیں، عقل، نفس کا سب سے بڑا ہتھیار ہے، جو طالب کے سفر کو دشوار تر کر دیتا ہے، عقل چونکہ مادی چیز ہے، نفس سب سے بڑی طاقتور مادی قوت ہے، اس لئے نفس اپنے ہی مادی ساتھی یعنی عقل کے ذریعہ طالب کے لئے دل اور روح تک پہنچنے کی راہ میں مزاحم ہوتا ہے، واضح ہو کہ دل اور روح مادہ کی پیداوار نہیں ہیں، بلکہ یہ جوہری قوتیں ہیں، جس سے انسانی شخصیت کی ہر طرح کی زندگی وابستہ ہے۔

طالب وسوسوں اور خیالات کے ہجوم کا مقابلہ کر کے ہی رفتہ رفتہ دل سے اپنا رشتہ قائم کرنے میں کامیاب ہوتا ہے، اللہ سے تعلق مستحکم کرنے کے لئے مراقبہ کا عمل بنیادی طور پر دل کا عمل ہے، لیکن اللہ نے انسان کی آزمائش کے لئے نفس کے شر میں جو خوفناک قوت رکھی ہے، یہ نفس اور نفسی قوتیں عقل کے ذریعہ فکری انتشار پیدا کر کے، اللہ کے طالب کے لئے شدید مشکلات پیدا کر دیتی ہیں، لیکن طالب ہمت، حوصلہ، شجاعت اور استقامت سے کام لیتے ہوئے جب مراقبہ کے عمل کو مسلسل جاری رکھتا ہے تو رفتہ رفتہ دل کے دروازے

وا ہونے لگتے ہیں، اور اللہ کے انوار اخذ کرنے کی دل کی صلاحیتیں بیدار ہو کر نفس اور اس کے ہمنوا عقل کو مطیع کرنے میں کامیاب ہوتی ہیں، بلکہ ایک وقت آتا ہے کہ دل جو اللہ کے انوار سے سرشار ہونے لگتا ہے، وہ انوار کا ایک حصہ عقل کی طرف بھی منتقل کرنے لگتا ہے، جس سے مادی عقل، عقل سلیم بن جاتی ہے۔

طالب کے لئے ابتدائی مرحلہ انتہائی مشکل ہوتا ہے، لیکن روحانی استاد کی صحبت اور مستقل مزاجی سے اس کا یہ ابتدائی مرحلہ بالآخر طے ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد طالب کا دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے، جسے حالت توسط کہتے ہیں، اس مرحلے میں طالب جذب اور کشش کے ذریعہ اللہ کی قربت کے مقامات طے کرنے لگتا ہے۔

دوسرے مرحلے میں طالب، اللہ کی محبت میں تیز رفتاری سے چلنے لگتا ہے، ذکر و فکر کے لئے اس کا ذوق و شوق قابل دیدنی ہوتا ہے، اللہ کی راہ محبت میں چلتے رہنا، اس کا وظیفہ حیات بن جاتا ہے، اس کا دل دنیا سے سرد ہونے لگتا ہے، اس دور کو طالب کے مجاہدوں کا دور بھی کہا جاتا ہے، مجاہدوں کے اس دور میں اس پر نیم مدہوشی کی سی حالت طاری ہوتی ہے، دنیا کے حالات اس پر اثر انداز نہیں ہوتے، اس پر ایک ہی فکر غالب ہوتی ہے، وہ محبوب سے محبت کے ارتقائی مراحل کی فکر ہوتی ہے۔

قرآن کے انتباہات بے اثر کیوں ہیں؟

اہل اللہ اور اللہ کے ہر مخلص طالب کا یہ مشاہدہ ہے کہ فرد جب تک اللہ کی محبت سے باہر ہے، تب تک وہ ایمان کی حلاوت سے آشنا ہو سکے، باطنی بیماریوں کا ادراک حاصل کر سکے، تقویٰ، تزکیہ اور خشیت کی حالت کو اپنے اوپر غالب کر سکے، پاکیزہ اوصاف کا حامل ہو سکے، مشکل سے مشکل تر ہے، یہ چیزیں علم، استدلال اور عقل کو تیز کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس کے لئے اللہ کی محبت میں داخل ہو کر، اس محبت کے ارتقائی مراحل طے کئے بغیر چارہ کار نہیں۔ قرآن میں تقویٰ اور اللہ سے خشیت کا بہت زیادہ ذکر ہے، قرآن بداعمالیوں کی وجہ سے جہنم کے انتباہات سے بھرا ہوا ہے، لیکن قرآن کے ان انتباہات کا ہماری زندگیوں پر

کوئی اثر نہیں ہے، ہماری زندگیاں نفس پرستی اور دنیا پرستی کی ڈگر پر ہی گزر رہی ہیں، علم کے باوجود ہم اللہ کی مخلصانہ عبادت کی راہ پر آنے کے لئے تیار نہیں ہیں، علم کے باوجود ہمارے اندر تقویٰ اور خشیت پیدا ہونے نہیں پاتی، علم کے باوجود ہم دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دینے کی روش پر گامزن ہیں، علم کے باوجود ہم باطنی بیماریوں اور قساوت قلبی سے بچنے کی استعداد سے محروم ہیں، آخر ایسا کیوں ہے؟ قرآن کے انتباہات سے ہماری زندگیوں میں حقیقی تبدیلی کیوں نہیں آتی؟ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ہم علم اور عقل کی سطح سے آگے بڑھکر، دل کی گہرائیوں تک پہنچنے اور دل کو اللہ کی محبت سے سرشار کرنے اور مجاہدوں کے ذریعہ نفس کے سنوارنے کے کام کو کام ہی نہیں سمجھتے۔

جب دل خالی ہو تو خالی دل اغوائے نفسانی اور اغوائے شیطانی کا شکار ہو جاتا ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا حقیقی طالب تو اللہ کی طرف سے جھنم کے ایک بار کے انتباہ سے ہی لرز اور دہل جاتا ہے۔

اللہ کے مخلص طالب کی نظر میں جب تک ہم بے حسی کی روش کو چھوڑ کر، دل کو اللہ کے ذکر کے نور سے منور اور آباد کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے اور خوفناک باطنی بیماریوں سے بچاؤ کے لئے ذکر و فکر کے مجاہدوں سے کام نہیں لیں گے، تب تک ہمارے حالات میں تبدیلی کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوگی، قرآن کے انتباہات زندگی میں فیصلہ کن تبدیلی برپا کرنے میں اس وقت کامیاب ہوں گے، جب دلِ بینا پیدا ہوگا، دلِ بینا اللہ کی محبت میں داخل ہو کر اس محبت کو اپنی شخصیت پر غالب کرنے کے نتیجہ میں ہی پیدا ہوگا، عبرت، موعظت، آخرت کے حوالے سے حساسیت، نفسی قوتوں سے چوکنا ہونے کی استعداد اور انسانی جوہر اللہ کی محبت سے ہی پیدا ہوگی، اور اللہ سے محبت، اللہ کے محبوں کی صحبت سے ہی حاصل ہوگی احادیث میں حضور ﷺ کی ایک دعا آتی ہے کہ یا اللہ، مجھے اپنی محبت عطا فرما اور ان لوگوں کی محبت عطا فرما جو تجھ سے محبت کرتے ہیں۔

محبت کی یہ فیصلہ کن اہمیت اس لئے ہے کہ محبت ہی وہ چابی ہے، جس سے دل کے دروازے کھلتے ہیں، اور دل انوار الٰہی سے سرشار ہونے لگتا ہے، اور دل ان ایمانی کیفیات سے بہرہ ور ہوتا ہے، جس کے زیر اثر نفسی قوتیں مغلوب ہو جاتی ہیں۔

اللہ کا سہارا لئے بغیر
ذہنی اور نفسیاتی بیماریوں کا پھوٹ پڑنا

اللہ کے طالب کی نظر میں اللہ اللہ کرنا، فرد کی ایسی ناگزیر ضرورت ہے، کہ جس کے بغیر وہ جتنے بھی مسائل، مشکلات، مصائب، اشکالات اور وسوسوں کا شکار ہو جائے، کم ہے، اس کے بغیر مادیت پرستی اور دنیاداری کی طوفانی لہروں سے بچنا بھی دشوار تر ہے، احساس کی پاکیزگی کا تو سارا تعلق ہی اللہ اللہ کرنے سے وابستہ ہے۔

اللہ اللہ کے بغیر دنیا کو اس طرح سنورا کر فرد کے سامنے پیش کیا جاتا ہے کہ وہ دولت اور دنیا کو مقصود بنائے بغیر رہ نہیں سکتا۔ اس کے بغیر اس کی مصروفیات کو اتنا بڑھایا دیا جاتا ہے کہ مصروفیات ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتی، نئی نئی مصروفیات اس طرح پیدا ہوتی جاتی ہیں کہ فرد ساری زندگی انہی مصروفیات میں الجھ کر موت سے ہمکنار ہوتا ہے۔

اللہ اللہ کو وظیفہ حیات بنانے سے توحید کا عقیدہ راسخ ہوگا، زندگی میں خیر و برکت ہوگی، بہت ساری آفتوں سے بچاؤ کی صورت پیدا ہوگی، قناعت اور سادگی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی استعداد پیدا ہوگی، اللہ کی ذات پر اعتماد و یقین میں اضافہ ہوگا، صبر و شکر کی نفسیات پیدا ہوگی۔ کردار میں رونق پیدا ہوگی، اللہ اللہ کرنا، بظاہر ہلکی سی بات نظر آتی ہے، لیکن یہ اسم ذات اتنا قیمتی اور وزنی ہے کہ ساری کائنات کے خزانے بھی اس کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔

اللہ اللہ کرنے سے دل اور روح کو تسکین ملتی ہے، شخصیت کو حقیقی حلاوت حاصل ہوتی ہے، غیر ضروری کاموں اور مصروفیات سے نجات ملتی ہے، اللہ اللہ کرنے سے اللہ سے تعلق مستحکم ہوتا ہے، نیکی کے کاموں میں حائل مشکلات دور ہوتی ہیں۔

آج انسانیت جتنے بھی بحرانوں سے دوچار ہے، وہ بحران پیدا ہی اس لئے ہوئے ہیں کہ اللہ سے ہمارا تعلق نہ صرف کمزور ہو گیا ہے، بلکہ لگ بھگ ختم ہو گیا ہے۔

اللہ اللہ کے بغیر بُرائی سے بچاؤ کی صورتیں مسدود ہیں۔ وقت میں، مال میں، علم میں اور گھروں میں خیر و برکت رخصت ہو جاتی ہے۔

جب تک اللہ اللہ کرنے کی عادت مستحکم نہیں ہو گی، اقتصادیات اور معیشت کی ہماری ساری اسکیمیں خیر و برکت سے محروم رہیں گی، اللہ اللہ کے بغیر فرد وافراد کی یہ حالت ہو گی کہ ہر فرد چاہے گا کہ اسے قارون کا خزانہ مل جائے، لیکن یہ خزانہ مل جانے کے باوجود وہ ان جانے خوف سے لرزاں و ترساں رہے گا، اس لئے کہ انسانی روح جو انسان کی اصل شخصیت ہے، وہ اللہ کے بغیر پوری انسانی شخصیت کو بے قراری کے انگاروں پر لیٹنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

ایک حدیث شریف ہے کہ تم اپنے اوپر ایک ہی فکر (اللہ کی فکر، اللہ کے دین کی فکر، آخرت کی فکر) کو غالب کر لو تو اللہ تمہارے سارے افکار (ضروریات) کے لئے کافی ثابت ہو گا، اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ کو پرواہ نہیں ہے کہ تم کس وادی میں بھٹکتے پھرو گے۔ یہ حدیث بتاتی ہے کہ انسان کے سارے افکار، ساری پریشانیوں اور سارے مصائب سے بچاؤ کی واحد صورت ایک ہی ہے، وہ یہ کہ اللہ کا سہارا لیا جائے، اور اللہ کے کثرت ذکر کے ذریعہ اپنی شخصیت پر صبغۃ اللہ (اللہ کے رنگ) کو غالب کیا جائے، دوسری صورت میں مادہ پرستی کی وادی میں بھٹکتے پھرنے کے المیہ سے ہی دوچار ہونا پڑے گا، اس وقت پوری انسانیت کی ساری منصوبہ بندی اور ساری سرگرمیوں کا ہدف مادی خوشحالی اور مادی ترقی تک محدود ہو گیا ہے، ہر قوم زیادہ سے زیادہ دولت بنانے اور دولت کے ذرائع میں توسیع کرنے کے جنون میں مبتلا ہے، اس کا جو نتیجہ نکلا ہے، وہ یہ کہ مادی ترقی تو بہت زیادہ ہوئی ہے، اتنی زیادہ کہ انسانیت نے اپنی پوری تاریخ میں ایسی مادی ترقی کبھی نہیں دیکھی ہو گی، لیکن انسان کی انفرادی واجتماعی زندگی سے اللہ کے نام اور اللہ کے عقیدے کو نکالنے کے نتیجہ میں یہ مادی ترقی انسانیت کے لئے وبال بن گئی ہے۔

خوشحال مادی قومیں کمزور قوموں کو پامال کر کے ہر طرح سے ذلیل کرنے اور اپنا غلام بنانے کے لئے کوشاں ہیں، ذہنی اور نفسیاتی بیماریوں کی ایک وبا ہے، جو پھوٹ پڑی ہے، انسانیت ایسی بیماریوں اور وباؤں میں جکڑ چکی ہے، جن کا کبھی نام تک نہیں سنا تھا۔ ترقی یافتہ ملکوں تک میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک دوسرے کو مار ڈالنے کے رجحانات اور واقعات میں تشویشناک حد تک اضافہ ہوا ہے، ذہنی اور نفسیاتی بیماریوں کے بارے میں مسلمان ممالک کی حالت بھی قابل رحم ہے۔

اللہ کو بھلانے اور مادی طرز زندگی کو نصب العین بنانے کی اتنی بڑی سزا ملنے کے باوجود بیدار نہ ہونا، اللہ کا سہارا نہ لینا اور اللہ اللہ کرتے رہنے کو وظیفہ نہ بنانا، یہ قساوت قلبی اور دل کی بینائی سے محرومی کی آخری سطح ہے۔

اللہ کی طرف سے سزاؤں کے ملنے کے باوجود بیدار نہ ہونا، یہ مزید المیہ کی بات ہے، اگر اللہ کی رحمت کو دستک دینا ہے تو اس کے لئے اللہ اللہ کرنا ہو گا، اور اللہ اللہ کو وظیفہ حیات بنانا ہو گا، یہ انسان کا ایسا فطری داعیہ اور تقاضا ہے، جس کے بغیر انسان اور انسانیت سکھ کی سانس ہرگز نہیں لے سکتی۔ اللہ کے اسم ذات کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن میں اللہ کا نام دو ہزار نو سو چالیس مرتبہ آیا ہے۔ (حکایتوں کا گلدستہ)

مشکوٰۃ کی حدیث شریف ہے کہ جب دنیا میں ایک بھی اللہ اللہ کرنے والا باقی نہ ہو گا تو کائنات کے نظام کو لپیٹ دیا جائے گا، دریاؤں اور سمندروں کا پانی خشک ہو جائے گا، نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا۔ حضرت سید عبدالقادر جیلانی نے اللہ کے اسم ذات کو اسم اعظم کہا ہے، فرمایا ہے کہ اس اسم اعظم کی حقیقت اس وقت عیاں ہو گی، جب دل کی گہرائیوں میں اللہ کے علاوہ کچھ بھی ہو، یعنی دل میں اللہ کا تصور اتنا مستحکم ہو کہ وہ دل کا پوری طرح احاطہ کر لے اور شخصیت اس اسم ذات کے انوار سے عبارت ہو جائے۔

قرآن سے تعلق کا قائم ہونا

قرآن اللہ کی ایسی کتاب ہے، جو انسان کی ہدایت کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے، اس میں اللہ سے ملاقات اور آخرت میں حساب کتاب اور دوزخ اور جنت کا بار بار ذکر ہے، اللہ کا طالب اگرچہ شروع میں ذکر کی محویت کی وجہ سے قرآن کی زیادہ تلاوت کرنے کے لئے وقت نہیں نکال پاتا، لیکن ذکر کے ملکہ کے مستحکم ہونے کے بعد قرآن سے اس کا گہرا تعلق قائم ہو جاتا ہے، اب قرآن اسے دل کی آواز معلوم ہونے لگتی ہے، کثرت ذکر کے ذریعہ اس کے دل میں جو نور اور ایمان ویقین اور سوز وساز کی جو پاکیزہ کیفیت پیدا ہوئی ہے، قرآن کی تلاوت اس کی اس کیفیت میں اضافہ کا ذریعہ بن جاتی ہے، اب وہ جوں جوں قرآن پڑھتا ہے، اس کے ایمان ویقین میں اسی حساب سے اضافہ ہونے لگتا ہے، کثرت ذکر نے اس کے دل میں جو آتش عشق جلائی ہے، قرآن کی تلاوت اس میں مزید اضافہ کا ذریعہ بن جاتی ہے، کثرت ذکر اور صحبتِ اہل اللہ نے اس کے دل میں حکمت کے جو موتی پیدا کئے تھے، قرآن کی تلاوت سے ان میں بے حد وحساب ارتقا ہونے لگتا ہے، سب سے بڑی بات یہ کہ قرآن سے وہ آخرت کے بارے میں سب سے زیادہ فکر مند ہونے لگتا ہے کہ معلوم نہیں اس کے ساتھ وہاں کیا معاملہ ہوگا، اس لئے کہ قرآن میں اللہ کی ذات کے جلال کا جو ظہور ہوتا ہے، وہ اسے از حد بے قرار کر دیتا ہے۔

حکیم الامت نے بجا فرمایا ہے کہ تصوف کی ریاضتوں کے بعد قرآن وحدیث سے تعلق بہت زیادہ نافع ثابت ہوتا ہے۔ محبوب کے لئے مضطرب دل کا جب قرآن سے تعلق قائم

ہو جاتا ہے تو اسے قرار جاتا ہے اور محبوب سے تعلق میں اضافہ پر اضافہ ہونے لگتا ہے۔ آخر میں قرآن ہی طالب کا وظیفہ بن جاتا ہے۔

خلوت کے لئے وقت نکالنا

اور اس سے نئی توانائی حاصل کرنا

اللہ کا طالب، اللہ سے اپنے مستقل تعلق کو قائم کرنے اور اس تعلق میں اضافہ کے لئے روزمرہ زندگی میں کچھ وقت خلوت کے لئے ضرور نکالتا ہے۔ خلوت سے اسے نئی توانائی حاصل ہوتی ہے، جس توانائی کو وہ خدمت خلق اور دعوتی وتربیتی کاموں میں صرف کرتا ہے۔

خلوت کے ذریعہ ساری ذہنی اور وجدانی توانائیوں کو متوجہ الی اللہ ہونے کے لئے استعمال کرنا اس کی تاکید قرآن سے بھی ملتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو فرمایا جارہا ہے **وذکر اسم ربك وتبتل الیه تبتیلا** اپنے رب کا نام ذکر کر سب سے کٹ کر اسی سے یکسو ہو جاؤ۔

متوسط طالب کی تو حالت یہ رہتی ہے کہ وہ برسوں تک وقت کا بیشتر حصہ خلوت میں رہ کر راہ سلوک کے مراحل طے کرتا ہے، یعنی وہ نفسی قوتوں کے زور کو توڑ کر اپنی شخصیت پر اللہ کی وحدانیت کے رنگ کو غالب کرتا ہے۔

دنیا کے ہر شعبۂ علم اور فن میں مہارت حاصل کرنے کے لئے ابتدا میں کلی ذہنی توانائیوں کا استعمال ناگزیر ہوتا ہے، ساری سائنسی، ٹیکنالوجی اور علمی ترقی، صاحبان علم وفن کی علوم وفنون میں فنائیت کا ہی مرہونِ منت ہے۔

اسی اصول کے تحت اللہ کا طالب برسوں تک خلوت میں رہتا ہے ''تاکہ وہ اندر میں ڈوب کر نفسی قوتوں کو مفتوح کر سکے اور اللہ کی اطاعت کے لئے یکسو ہونے کی اس کی استعداد مستحکم ہو سکے، جب اللہ کے طالب کا خلوت کا ملکہ راسخ ہوتا ہے، اور نفسی قوتوں پر دل کی صلاحیتیں غالب ہو جاتی ہیں اور اللہ کی محبت کے اس کے ارتقائی مراحل قابل ذکر حد تک طے ہوتے ہیں تو اللہ کے طالب کا سفر بڑی حد تک طے ہو جاتا ہے، اور اسے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں آسانی ہونے لگتی ہے، تاہم اس کے بعد بھی اس کے لئے روزمرہ زندگی میں خلوت کے لئے کچھ نہ کچھ وقت نکالنا ضروری ہوتا ہے، اس سے اس کی روحانی توانائی کی بحالی کی صورت پیدا ہوتی رہتی ہے۔

طالب نے زندگی کے جس موڑ پر بھی روزمرہ زندگی میں خلوت کے عمل کو ترک کیا تو اس سے نفس کی قوتوں کو از سر نو ابھرنے اور ذہنی خلفشار پیدا ہونے کا موقعہ ملتا ہے، ویسے بھی چونکہ طالب نے حالت توسط میں برسوں تک اپنے وقت کا بیشتر حصہ خلوت میں گذارا ہوتا ہے، اس لئے خلوت اس کی زندگی کا حصہ بن جاتی ہے، خلوت کے ذریعہ محبوب سے راز و نیاز کے بغیر وہ رہ نہیں سکتا۔

اس سلسلہ میں حکیم الامت مولانا تھانوی فرماتے ہیں: تعلیم کے لئے نور کی ضرورت ہے، یہ نور پیدا ہوتا ہے ذکر کامل سے اور ذکر کامل کے لئے ضرورت ہے خلوت کی۔

حضرت عائشہ صدیقہ کی ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا، اے عائشہ، میرے اور اللہ کے درمیان ایک وقت ایسا ہوتا ہے، جس میں میں ہوتا ہوں اور اللہ ہوتا ہے، دوسرا کوئی نہیں ہوتا۔ غار حرا میں حضور ﷺ کا برسوں تک خلوت کا واقعہ تو مشہور ہے۔

نفس پرست افراد سے
مادہ پرست معاشرے کا وجود میں آنا

مادی نفس، مادی عقل کے ذریعہ سے دل اور روح جیسی جوہری چیزوں پر حملہ آور ہو کر ان کا محبوب حقیقی سے رشتہ توڑ دیتا ہے۔

جب بہت سارے افراد اس مزاج اور اس نفسیات کے حامل ہو جاتے ہیں تو اس سے مادیت پرست معاشرہ متشکل ہو جاتا ہے، جو محبوب حقیقی سے سرکشی کی راہ پر گامزن ہوتا ہے، اس طرح وہ معاشرہ اللہ کے عتاب کا شکار ہو جاتا ہے۔ انسان کی تاریخ کے مختصر عرصے کو چھوڑ کر باقی ساری انسانیت اس طرح کی صورتحال سے دوچار رہی ہے۔ دل اور روح کا اللہ سے رشتہ کا ٹوٹ جانا، یہ نفس انسانی کی سب سے بڑی کارستانی ہے۔

انسان کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ وہ جب ایک بار فطرت اور اس کے تقاضوں کو بھول جاتا ہے تو وہ اس معاملہ میں اتنا آگے بڑھ جاتا ہے کہ وہ الست بربکم قالوبلیٰ کی صدا کا سرے سے انکار کرنے لگتا ہے، اور اللہ کو معبود حقیقی اور محبوبِ حقیقی ماننے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتا، اگر مانتا بھی ہے تو اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا، اس کا نتیجہ وہ اس دنیا میں بھی طرح طرح کے ذہنی، نفسیاتی، وجدانی اور روحانی نوعیت کے صدمات وحادثات کی صورت میں بھگتتا ہے، تو آخرت میں اللہ کی جلائی ہوئی آگ کی صورت میں بھگتے گا، بدقسمتی سے انسان فطرت اور اس کے تقاضوں سے بغاوت اور نفس پرستی کی قوتوں کی پیروی کی اتنی بڑی سزا بھگتنے کا روادار ہو جاتا ہے۔

اللہ کا مخلص طالب انسانیت کے اس سب سے بڑے حادثے پر خون کے آنسو بہا کر رہ جاتا ہے۔

نفس کی ہزارہاواردات سے گزرنا

اللہ کے طالب کی ایک ادا یہ ہوتی ہے کہ وہ اللہ کے شانِ عظمت کے قریبی مشاہدہ کی وجہ سے اللہ کی مخلوق میں اپنے آپ کو سب سے زیادہ سیاہ کار سمجھنے لگتا ہے، اللہ کی جلالی صفات کے مسلسل عکسوں کے گرتے رہنے کی وجہ سے وہ سمجھتا ہے کہ اگر اللہ کا فضل خاص شامل نہ ہوتا تو نفس کی دلدل سے نکل کر، اللہ کے لئے یکسو ہو جانا، اس کے لئے ممکن نہیں تھا، وہ ہر وقت اللہ سے اس کا فضل ہی طلب کرتا رہتا ہے، کہ وہ آخر وقت تک اسے ایمان کی حالت پر قائم رکھے، اور وہ کسی بھی مرحلے پر اسے نفسی قوتوں کے حوالے نہ کرے۔

قرآن کی آیت ہے **ولولا فضل اللہ علیکم ورحمۃ مازکیٰ منکم من احد۔**

(اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی مزکی نہ ہوتا۔)

اللہ کا طالب نفس کے جن کٹھن اور مشکل مراحل سے گذرتا ہے کہ نفسی قوتیں برسوں تک کسی صورت میں اس کی جان چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تھی، جب اللہ نے فضل خاص فرمایا تو اس کی بے قراری ختم ہو کر، اسے قرار آیا، اس کی انانیت کی قوتیں پاش پاش ہو کر وہ فنا سے حالت بقا میں آیا اور اس نے اپنے نفس کو مٹتے ہوئے پایا۔

مخلص طالب کی یہی وہ ادا ہے، جو اسے دوسروں کی تربیت کے مقام پر فائز کرتی ہے، اب دوسروں کی تربیت کرتے ہوئے اسے اپنے آپ کو بڑا اور افضل سمجھنے کا وہم بھی نہیں ہوتا، اس لئے کہ وہ دورانِ مجاہدہ نفس کے مکر وفریب کی اس طرح کی ہزارہا واردات سے گزر چکا ہوتا ہے، اپنے نفس کو مٹانے کی نفسیات جب غالب ہوتی ہے تو اسے اپنے سب سے زیادہ سیہ کار ہونے کا احساس جنم لیتا ہے۔

اس لئے کہا گیا ہے کہ سلیقہ عبدیت سیکھنا ہو تو وہ اس طرح کے مخلص طالب سے سیکھے جو اپنے آپ کو مٹا چکا ہے۔ اور اللہ کی وحدانیت کو اپنے اوپر غالب کر چکا ہے۔

زبانِ قال وزبانِ حال سے سلیقہ انسانیت کی دعوت

اللہ کا حقیقی طالب، افراد کو زبان قال وزبان حال سے کلمہ کی تجدید کی دعوت دے رہا ہوتا ہے، کلمہ کی تجدید سے ایمان طاقتور ہوتا ہے اور ایمان کی طاقت سے اعمال کی استعداد پیدا ہوتی ہے، کلمہ کی تجدید اور کثرت ذکر سے اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے، اللہ کی محبت سے محض اللہ کے لئے زندگی گذارنے اور اللہ کی رضامندی کے کاموں میں آسانی پیدا ہوتی ہے، اللہ کے لئے جینے اور مرنے کا مزاج پیدا ہوتا ہے، اللہ کی محبت (جو کلمہ اور اللہ کے اسم ذات کے ذکر سے پیدا ہوتی اور ارتقا پذیر ہوتی ہے) ہی فطرت کا سب سے طاقتور تقاضا ہے، اللہ کے حقیقی طالب کی دعوت کا مرکز ہی اللہ سے والہانہ محبت کی راہ اختیار کرنا ہوتا ہے، جس سے فطرت سے ہمہ آہنگی پیدا ہوتی ہے اور زندگی کے خطوط کو اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات کے مطابق تشکیل دینے میں آسانی ہوتی ہے، اور دینی مزاج راسخ ہونے میں مدد ملتی ہے، کلمہ کی تجدید اور اللہ کی محبت کی دعوت ایسی چیز ہے، جس سے دین ودنیا اور دنیا وآخرت کی ساری سعادتیں وابستہ ہیں، **یثبۃ اللہ الذین اٰمنوا باالقول الثابت فی الحیوٰۃ الدنیا وفی الآخرۃ** (اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اس قول سے ثابت قدم رکھتا ہے دنیا کی زندگی میں بھی تو آخرت میں بھی) یہاں قول ثابت سے مراد کلمہ شریف لیا گیا ہے، کلمہ جب حال بن جاتا ہے تو زندگی کے سارے پہلو کلمہ سے ہمہ آہنگ ہو جاتے ہیں اور دنیا میں نفس اور مادیت کے سارے حملوں سے بچاؤ کی صورت پیدا ہوتی ہے نیز دنیا وآخرت میں اللہ کی طرف سے ثابت قدم ہونے کی استعداد عطا ہوتی ہے۔

اللہ کے مخلص طالب کی دعوت کا مرکز افراد کو کلمہ شریف اور اللہ کے اسم ذات کے ذکر کی طرف لانا ہوتا ہے، اس لئے کہ کلمہ اور اسم ذات کے ذکر کے مسلسل تکرار میں وہ تاثیر موجود ہے کہ اس سے فرد وافراد کی زندگیوں میں حقیقی انقلاب برپا ہونے لگتا ہے، جب ان دونوں کلمات کی کثرت کا ملکہ راسخ ہونے لگتا ہے تو دنیا کا بڑے سے بڑا فتنہ بھی طالب کو متاثر

کرنے اور مادیت پرست قوتیں اسے اپنی طرف راغب کرنے میں کامیاب نہیں ہوتی، اس لئے اللہ کے طالب کی زبان قال اور زبان حال سے دعوت یہ ہوتی ہے کہ اللہ کے بندے اللہ کی محبت کی راہ اختیار کریں اور کلمہ شریف اور اسم ذات کے ذکر کو معمول بنائیں تو ان کے لئے خود اس دنیا میں کامیابی کے راستے کھول دیئے جائیں گے، اس لئے کہ ان دونوں اذکار کے مسلسل تکرار سے قلب، ذکر کے انوار سے سرشار ہوگا، اس سے اعمال میں پاکیزگی پیدا ہوگی، معاملات میں بہتری ہوگی، سلیقہ انسانیت سے بہرہ وری ہوگی، اللہ کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی کے سلسلہ میں حساسیت پیدا ہوگی، ہر طرح کے گناہوں سے بچاؤ کی صورت پیدا ہوگی، نیز فساد کی داخلی اور خارجی قوتوں پر ضرب کاری لگے گی، اس طرح مسلم معاشرہ ہر طرح کے فساد سے بچ کر خیر کی راہ پر گامزن ہوگا۔

جدید دور نفس پرستی اور مادیت پرستی کے قوتوں کے غلبہ کا دور ہے، بلکہ یہ کتنا زیادہ صحیح ہوگا کہ جدید دور دجالی تہذیب کے عروج کا دور ہے، میڈیا کے جدید ذرائع نے افراد کے ذہنوں کو اس طرح اغویٰ کر لیا ہے، انہیں مادیت پرستی اور جنسی آوارگی کی راہ پر اس طرح لگایا ہے کہ وہ اللہ کے طالب کی زبانِ حال اور زبانِ قال سے اس دعوت کو سننے کے لئے تیار ہی نہیں ہے، اللہ سے دوری کی یہ صورتحال بہت زیادہ تشویشناک ہے، دنیا میں اس کی جو بھی سزا ملے، مہنگائی کی بڑھتی ہوئی وبا، دریاؤں کا خشک ہو جانا، دولت کا چند ہاتھوں میں ارتکاز ہونا، عام لوگوں کا روٹی تک کا محتاج ہونا، ذہنی اور نفسیاتی بیماریوں میں غیر معمولی اضافہ ہونا، خودکشی کے رجحان کا بڑھنا، ریاست و معاشرے کی ہر سطح پر ایک دوسرے سے ٹکراؤ کے عمل کا ہونا، وغیرہ یہ ساری سزا اللہ سے دوری اور اللہ کے طالب کی زبانِ حال و زبانِ قال سے اللہ کی طرف بلانے والی دعوت سے بے نیازی اختیار کرنے ہی کا نتیجہ ہے۔

اب بھی مہلت ہے، سنبھل کر اللہ کی طرف رجوع ہونے اور اللہ کی محبت کے ذریعہ زندگی کو پاکیزہ سمت میں موڑنے کا موقعہ ہے، اس سے خوشی و خوشحالی کی زندگی بحال ہو سکتی ہے۔

دنیادار افراد کی دوستی کا زہر قاتل ہونا

یہ نکتہ سمجھنا ضروری ہے کہ اہل اللہ کی صحبت کے ماحول سے ذکر کے لئے کشش کی حالت پیدا ہوتی ہے، ذکر کے تکرار سے اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے، اللہ کی محبت سے نئی پاکیزہ زندگی عطا ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ اعمال صالحہ کا ملکہ راسخ ہونے لگتا ہے، اور حیاۃ طیبہ نصیب ہونے لگتی ہے، جسے قرآن میں اس طرح بیان کیا گیا ہے **من عمل صالحا من ذکر او انثیٰ وھو مومن فلنحینه حیوٰۃ طیبه** (جو عمل صالحہ کرتا ہے وہ چاہے مرد ہو یا عورت، پس ہم اسے حیاۃ طیبہ (پاکیزہ زندگی) عطا کرتے ہیں)۔

یہ حیاۃ طیبہ ایسی زندگی ہے، جس پر سو مادی خوشحالی کی زندگیاں قربان کی جا سکتی ہیں، اس لئے کہ اس زندگی میں محبوب حقیقی کے انوار حسن سے بہرہ وری ہوتی ہے، قلبی سکون کی نعمت عظمیٰ عطا ہوتی ہے، محبت، رواداری، حکمت، بصیرت اور شفقت جیسی خوبیاں عطا ہوتی ہے، اللہ کے بندوں سے بے غرضانہ محبت پیدا ہوتی ہے، لیکن بدقسمتی سے موجودہ نفس پرست اور مادہ پرست معاشرے کی جکڑ بندیاں ایسی ہیں، جو اول تو فرد و افراد کو ذکر و فکر کے ماحول کی طرف آنے نہیں دیتی، اگر فرد وقتی جذبات سے متاثر ہو کر، اس ماحول میں آنے بھی لگتا ہے تو جلد ہی دنیادارانہ دوست واحباب کا ماحول اسے اس ماحول سے کاٹ کر دنیادارانہ ماحول کا حصہ بنا لیتا ہے، پھر فرد کی وہ حالت ہو جاتی ہے کہ وہ اللہ کے ذکر کے نورانی ماحول کو واپس لوٹ کر ایک نظر دیکھنے کا روادار ہی نہیں ہوتا۔

یہ سب نتیجہ ہے نفس پرست اور عقل پرست معاشرے کی جکڑ بندیوں کا، اس طرح فرد کی ساری زندگی اللہ کی محبت سے دوری، نفسی حجابات، دنیاداری اور عقل پرستی کی نذر ہو جاتی ہے، اس دنیا میں بھی وہ حقیقی خوشی و مسرت اور حقیقی حلاوت کی زندگی سے محروم ہوتا ہے تو آخرت کا خسارہ تو سب سے بڑا خسارہ ہے۔

دنیادار، نفس پرست اور عقل پرست افراد کی دوستی کا ماحول فرد میں حجابات، ظلمات اور تاریکی پیدا کرنے کا موجب بنتا ہے، ان حجابات سے بلند ہونا، فرد کے لئے اس لئے دشوار ہوتا ہے کہ وہ صالح انسانوں اور ذکر و فکر کے ماحول سے کٹ جاتا ہے، ''جو بکری ریوڑ سے جدا ہوتی ہے وہ بھیڑیے کا شکار ہو جاتی ہے'' کے مصداق جو اہل اللہ سے کٹ جاتا ہے، وہ نفس پرست انسانوں کا شکار ہو جاتا ہے، جن کی صحبت اس سے ذکر کی حلاوت چھین لیتی ہے اور اسے دنیا کا حریص بنا دیتی ہے۔

زندگی اس تیزی سے گذر رہی ہے کہ ایک سال کا عرصہ ایک ماہ میں گذر جاتا ہے اور ایک ماہ دو چار دن میں گذر جاتا ہے، اس طرح موت کا منظر فرد کے سامنے آنے لگتا ہے۔

موت کے منظر سے ہی پوری زندگی کا اعمال نامہ سامنے آنے لگتا ہے، اس وقت سوائے خون کے آنسو بہانے کے اور کوئی چارہ کار نہیں، آنے والی زندگی کو حسرت سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ فرد ہمت و حوصلہ کا مظاہرہ کر کے، ذکر اور اہل ذکر اور صاحبان دل سے اپنے رشتے کو ہر صورت میں قائم اور مستحکم کرے، ان کی صحبت اور ان سے دلی تعلق سے ہی وہ فاسد ماحول، نفس پرست اور عقلیت کی حامل قوتوں کے اثرات بد سے بچ سکتا ہے، اس کی دوسری کوئی صورت نہیں۔

قرآن میں ہے **الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا لمتقین** (اس دن دوست، ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے متقین کے)۔

اس لئے یہ کہنا صحیح ہوگا کہ نفس پرست اور دنیا پرست دوستوں کی صحبت فرد کے لئے زہر قاتل ہے۔

دین کے لئے مختلف شعبوں میں ہونے والے کام کو اپنا کام سمجھنا

اللہ کے مخلص طالب کی ایک ادا یہ ہوتی ہے کہ وہ ملت میں دین کے سارے شعبوں میں ہونے والے کاموں کو اہمیت دیتا ہے، اور مختلف افراد کی طرف سے ہونے والے کام کو اہم سمجھتا ہے، مثلاً دعوتی محاذ پر ہونے والا کام، درس و تدریس کے شعبہ میں ہونے والا کام، علمی، صحافتی اور میڈیا کے محاذ پر ہونے والا کام، سیاسی محاذ پر ہونے والا دینی کام، خانقاہی شعبے میں ہونے والا کام، ان سارے کاموں کو وہ اپنے دل کی آواز سمجھتا ہے، یعنی ان کاموں کی نہ صرف یہ کہ وہ نفی نہیں کرتا، بلکہ اس کام کو ملت کی تعمیر و بہتری کا حقیقی کام سمجھتا ہے، ان سارے کاموں کے مقابلہ میں جب وہ اپنے کام کو دیکھتا ہے تو وہ اسے نہ ہونے والا کام محسوس ہوتا ہے، بلکہ اسے خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ شاید اس کے کام میں نفسانیت کا پہلو موجود ہو، اس لئے وہ اپنے کام کو تو اخلاص کے اعتبار سے خطرات سے پُر اور معمولی کام سمجھتا ہے، جبکہ ملت میں دین کے نام پر ہونے والے سارے کام اس کی نظر میں نہ صرف اہم ہیں، بلکہ وہ امت کی بہتری کے اہم کام ہیں، ان میں سے کسی بھی شعبہ میں ہونے والے کاموں کی اہمیت کو کم سمجھنا، یا ان کو تنقید برائے تنقید کا نشانہ بنانا یا ان کی تحسین نہ کرنا، یہ اللہ کے حقیقی طالب کے مزاج کے منافی ہے، وہ وسعت فکر اور وسعت نظر کے اس مقام پر ہوتا ہے، جہاں اسے اپنا کام تو معمولی بلکہ حقیر نظر آتا ہے، جب کہ مذکورہ شعبوں میں ہونے والے سارے کام غیر معمولی اہمیت کے حامل نظر آتے ہیں، وہ اپنی مجلسوں میں اس طرح کے کاموں کی تحسین کرتا ہے، اس طرح کے کاموں کے تذکرہ کے سلسلہ میں اسے جب بھی موقعہ ملتا ہے، وہ ان کی تعریف کرتا ہے۔

ویسے بھی یہ حقیقت ہے کہ ملت کے بہت سارے شعبے ہیں، جن میں کام کی ضرورت ہے، ان سارے شعبوں کا کام کوئی بھی ایک طبقہ یا ایک جماعت سرانجام نہیں دے سکتی، مختلف ادارے ہی تقسیم کار کے تحت ان کاموں کو سرانجام دے سکتے ہیں۔

اللہ کا طالب نفسیات کے زیر اثر اپنے کام کو بڑا کام سمجھنے کی حماقت ہرگز نہیں کرتا، دوسرے اداروں اور دوسرے شعبوں میں ہونے والے کاموں میں اگر اسے خامیاں بھی نظر آتی ہیں تو وہ ان خامیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ان کے کاموں میں موجود خیر کے پہلوؤں کو

زیادہ اہمیت کا حامل سمجھتا ہے، ہاں، صحیح ذہن سازی کے اعتبار سے تجزیہ کرتے ہوئے بعض اوقات وہ ان اداروں کے بعض کمزور پہلوؤں کی دردمندی اور اخلاص کے ساتھ نشاندہی ضرور کرتا ہے، یہ نشاندہی کرتے ہوئے بھی اسے یہ خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ اس میں کہیں نفسیانیت کا شائبہ موجود نہ ہو۔

اللہ کا مخلص طالب چونکہ طویل عرصہ تک نفس، نفسانیت اور نفسی قوتوں کے برپا کردہ حشر اور اس کی طوفان خیزیوں سے گذرا ہوا ہوتا ہے، اس لئے نفس کا یہ فریب اس پر پوری طرح آشکار ہو جاتا ہے کہ وہ دینی شخصیتوں، دینی اداروں اور دعوتی و علمی شعبوں میں ہونے والے کاموں پر بے جا تنقید کر کے، بالواسطہ طور پر اپنی شخصیت اور اپنے کام کو اجاگر کرے، اللہ کا مخلص طالب نفس کے اس فریب کو بھی سمجھتا ہے کہ دوسری دینی و دعوتی شخصیتوں پر بے جا تنقید کر کے، اپنی شخصیت کے احساس برتری کو قائم رکھا جائے، نفس ہر صورت میں دوسروں پر اپنی فوقیت چاہتا ہے اور اس کے لئے مختلف بہانے تراشتا رہتا ہے، اللہ کا طالب نفس کے اس فریب کو سمجھکر، اس کی ان سازشوں کو ناکام بنانے کے لئے کوشاں ہوتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ اگر اللہ کا فضل خاص شامل نہ ہو تو وہ نفس کے اس احساس برتری کے فریب سے نہیں بچ سکتا۔

اللہ کے مخلص طالب کی تنقید میں بھی اعتدال، توازن، اخلاص، دردمندی اور دل سوزی موجود ہوتی ہے، یہ تنقید جذبہ اصلاح پر مبنی ہوتی ہے، اس لئے وہ اثر رکھتی ہے، اس سے دوسروں کے منفی جذبات ابھرنے کے بجائے تنقید پر غور و فکر کا رجحان پیدا ہوتا ہے۔

یہ سب نتیجہ ہوتا ہے، اللہ کے فضل خاص کا، اللہ، طالب کو مجاہدوں کے جن حالات سے گذارتا ہے، ان مجاہدوں کی خاصیت ہی یہی ہے کہ اس سے فکر و عمل میں اخلاص، دردمندی و توازن پیدا ہونے لگتا ہے۔

طالب کا سب سے قیمتی وقت

اللہ کے طالب کا سب سے قیمتی وقت وہ ہوتا ہے، جو اس کا اللہ کے ساتھ راز و نیاز اور اس کے ذکر (مراقبہ) اور تلاوت میں صرف ہوتا ہے، اس لئے کہ ایک تو اس سے اس کے سارے جذبات حسن کی تسکین ہوتی ہے، وہ محبوب حقیقی کے لئے پوری طرح یکساں ہوتا ہے، دوسرے یہ کہ وہ اس سے مادی دنیا کے خلجانوں سے محفوظ ہوتا ہے، اور اس سے اس پر سکون و طمانیت کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔

اس کے لئے قرآن کی کئی آیتیں اس کے ان احساسات کو تقویت پہنچاتی ہیں، یہاں ذکر کے حوالے سے کچھ آیتیں پیش کی جاتی ہیں۔

ولقد نعلم انک یضیق صدرک بما یقولون فسبح بحمد ربک۔ (سورۃ الحجر آیت ۹۷)

(ہمیں معلوم ہے جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں اس سے آپ کے دل کو تکلیف پہنچتی ہے تو آپ ایسے موقع پر اللہ کی تسبیح اور حمد بیان کیجئے۔)

فاذا فرغت فانصب والیٰ ربک فارغب۔ (سورۃ الانشراح ۷۔۸)

(پس جب آپ فارغ ہوں تو عبادت میں مشغول ہو جاؤ اور اپنے رب کی طرف دل لگاؤ)۔

فسبح بحمد ربک وستغفرہ۔ (سورۃ النصر آیت ۳)

(بس اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کئے جاؤ اور اس سے مغفرت کی درخواست کرتے رہو)۔

اگرچہ طالب حالت توسط میں اللہ کی طرف سے کشش کے نظام کے تحت کافی عرصے تک خلوت اور محبوب کے ساتھ راز و نیاز کے مراحل سے گذرا ہے، لیکن اس وقت کے مجاہدے نفسی قوتوں کی شدت کے زور کو توڑنے کے لئے تھے، اب دعوتی کاموں سے اسے اس سلسلے میں زیادہ وقت نہیں مل پاتا، جس کی وجہ سے وہ اس حسرت میں رہتا ہے کہ اللہ ایسے حالات پیدا فرمائے کہ اسے اس کے لئے زیادہ وقت ملے، تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ وقت محبوب سے راز و نیاز کے تعلق اور اس کی ذکر کی حلاوت سے فیضیاب ہو سکے۔

ذکر کے ساتھ قرآن کی تلاوت اور اس کی معنیٰ پر غور و فکر قیامت کے حوالے سے اس کی حساسیت میں اضافہ کا ذریعہ بنتی ہے، قرآن آخرت کا جس تواتر اور جس شدت کے ساتھ ذکر کرتا ہے اور بداعمالیوں کے نتیجہ میں ملنے والی سزا اور عذاب سے جس طرح ڈراتا ہے، وہ ایسی چیز ہے، جو طالب میں غیر معمولی فکر مندی طاری کر دیتی ہے، اللہ کے طالب کا احساس یہ ہے کہ قرآن میں جہنم اور وہاں کی سزا کے انتباہ کا اگر فرد کو ذرہ برابر بھی احساس ہو جائے تو دنیاوی اور کاروباری زندگی میں اس کی اتنی مصروفیت باقی نہیں رہ سکتی، بلکہ وہ وہاں کی زندگی کی تیاری کے لئے غیر معمولی طور پر فکر مند ہو جائے اور اللہ کی عبادت اور اس کی اطاعت اس کا وظیفہ حیات بن جائے، ذکر کے ساتھ قرآن کی تلاوت اور اس پر غور و فکر منتہی طالب کے معمولات میں شامل ہوتا ہے، اس سے دنیا کے حوالے سے اس کے سارے تفکرات کالعدم ہو کر، آخرت کی فکر مندی اس پر غالب آنے لگتی ہے، بلکہ وہ اس کا احاطہ کرنے لگتی ہے۔

شہرت سے دور رہنے کی روش

اللہ کے طالب کی ایک ادا یہ ہوتی ہے کہ اسے اپنے معتقدین اور حلقہ ارادت کو بڑھانے سے دلچسپی نہیں ہوتی، اس کا سارا کام اللہ کے لئے ہوتا ہے، حلقۂ ارادت کے بڑھنے سے اسے خطرہ لاحق ہوتا ہے کہ کہیں اس کی شہرت سے اس کے نفس میں ابھار نہ پیدا ہو جائے یا زیادہ عقیدتمندوں سے وہ مالداری کی راہ پر گامزن نہ ہو جائے، اس لئے اللہ کا طالب چاہتا ہے کہ وہ آخر وقت تک اپنی اصلاح میں مصروف ہو، جو حقیقی طلب رکھنے والے چند افراد ملیں، وہ ان کی بہتر طور پر تربیت کا فریضہ سرانجام دے۔

چونکہ اس کام کی حیثیت اس کے لئے فریضے کی سی ہوتی ہے، اس لئے وہ اسے سرانجام دینے کے لئے کوشاں ہوتا ہے، تاہم اس کی تمنا یہ ہوتی ہے کہ وہ شہرت سے دور ہو اور اس کے پاس مال بھی اس کی بنیادی ضروریات سے زیادہ نہ آئے، وہ گاڑیوں، پلاٹوں اور بینک بیلنس وغیرہ سے کوئی طبعی مناسبت نہیں رکھتا، بلکہ وہ اپنے تجربات مشاہدات سے یہ سمجھتا ہے کہ مالداروں سے مشابہت پیدا کرنا، مالداروں والی طرز زندگی اختیار کرنا اور مالداروں کے راحت کے سامان کو اختیار کرنا، یہ طالب کو تزکیہ سے دور لے جانے کا ذریعہ بن سکتا ہے، اس سلسلے میں اسے ایک اہل اللہ کا بیان کردہ یہ نکتہ بہت اپیل کرتا ہے کہ جب تک مالداروں کی راحت کی چیزوں سے کراہت پیدا نہ ہو گی، تب تک نفس نہیں سنوے گا اور اس کی تہذیب نہ ہو سکے گی۔

اللہ کا مخلص طالب ان چیزوں کے بارے میں زیادہ حساس ہوتا ہے، اس لئے کہ مال اور دولت نفس کی سب سے بڑی چاہت ہے، اکثر دیکھا گیا ہے کہ شہرت اور زیادہ عقیدتمندوں سے مال و دولت آنا شروع ہو جاتا ہے۔ اللہ کا فضل خاص شامل ہو اور ذکر و فکر اور قرآن سے

مسلسل تعلق ہو تو طالب اس کے بعد ہی ان دونوں چیزوں کے مضر اثرات سے بچ سکتا ہے، فضل خاص کے بغیر ان سے بچنا طالب کے بس کی بات نہیں ہے۔

پاکستانی ملت کے لئے ہمہ گیر بحران سے بچاؤ کی صورت

اللہ کے طالب کی نظر میں اس وقت ملت اسلامیہ بالخصوص پاکستانی ملت جس ہمہ جہتی بحران کا شکار ہے، یہ بحران خود فراموشی، اللہ فراموشی، امانت ودیانتداری کے اصولوں کی خلاف ورزی اور مال ودولت کی صورت میں اللہ کی دی ہوئی امانت کے غلط استعمال، قومی دولت کی لوٹ مار، اس دولت میں عوام کو شریک کرنے سے انکار کی روش، حکمران طبقات کے بلند معیار زندگی، قساوت قلبی، سنگ دلی، مغرب کی نقالی، عالمی مالیاتی اداروں سے قرض لے کر ملک کے انتظامی نظام کو چلانے کی روش، اپنے اخراجات میں مسلسل اضافہ کرنا، اس میں کمی نہ لانے جیسی حماقتوں کو عمل دخل ہے۔

اس بحران سے نکلنے کی ایک ہی صورت ہے کہ قوم میں خودشناسی اور اللہ شناسی پیدا کی جائے، میڈیا اور تعلیمی اداروں کے ذریعہ قوم میں یہ احساس اجاگر کیا جائے کہ اللہ سے بغاوت اختیار کر کے، کوئی ملت کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی۔

ہمارے مقتدر طبقات میں جو سنگ دلی اور قساوت قلبی پیدا ہو گئی ہے، اس کا علاج خودشناسی اور اللہ شناشی کے علاوہ اور کوئی نہیں، اقبال نے اپنی فکر کی بنیاد خودشناسی پر رکھی ہے، اس لئے کہ جب خودشناسی پیدا ہو جائے گی تو اس کے لازمی نتیجہ کے طور پر اللہ شناسی کی استعداد پیدا ہو گی، خودشناسی ہی مؤثر طبقات کو درد آشنا دل عطا کرے گی، اللہ شناسی ہی افراد میں یہ صلاحیت پیدا کرے گی کہ قوم وملت کے مفاد کی قیمت پر نفس پرستی اور دولت جمع کرنے کا جنون ان کے لئے تباہی کا باعث ہے، نیز اللہ شناسی اس طرح کے سارے امراض سے

بچاؤ کے سلسلہ میں مؤثر کردار ادا کرے گی، اس سے انفرادی واجتماعی زندگی میں امانت ودیانت کے اصولوں پر سختی سے کاربند ہونے کی استعداد پیدا ہو گی، اس سے یہ حمیت پیدا ہو گی کہ ذاتی مفادات اور مال ودولت کے حرص کی وجہ سے قوم وملت کو عالمی مالیاتی اداروں کے ہاں گروی رکھنے اور اسے نئی غلامی کی زنجیروں میں جکڑنے کی روش انہیں کسی بھی اعتبار سے زیب نہیں دیتی، یہ ملت دشمنی کی روش ہے، جس سے بچنا ضروری ہے، ملت فروشی کی اس روش سے بچنے کی صورت خودشناسی اور اللہ شناسی کے ذریعہ ہی حاصل ہو گی، اس سے کروڑپتی اور ارب پتی بننے کا جنون ٹوٹے گا۔ اللہ کے بندوں سے محبت پیدا ہو گی، دولت کا بڑا حصہ اللہ کے غریب بندوں اور ملکی فلاح کے کاموں میں صرف کرنے کا رجحان پیدا ہو گا۔

یہی طریقہ ہے جس سے پاکستانی ملت کے لئے ہمہ گیر بحران سے بچاؤ کی صورت پیدا ہو گی، اس کے علاوہ دوسرے سارے راستے ایسے ہیں، جس سے قوم نئے نئے بحرانوں سے دوچار ہو گی، اور ماہانہ دس پندرہ ہزار روپے والی آمدنی رکھنے والے کروڑہا افراد فاقہ کشی میں مبتلا ہونے کے خطرے سے دوچار ہوں گے اور ان کی آہوں سے مقتدر اور مؤثر طبقات کی زندگی بھی انگاروں پر لیٹنے والی ہو جائے گی۔ دکھ کی بات یہ ہے کہ ملک اقتصادی طور پر جس سنگین بحران سے دوچار ہے، اس بحران کی تہہ میں کارفرما اخلاقی نفسی وباطنی خرابیوں کو سمجھکر انہیں دور کرنے کا احساس ختم ہو گیا ہے، معاشی بحران کو سطحی نظروں سے دیکھا جا رہا ہے، ہر سطح کی قیادت اس بحران کی حقیقی نوعیت اور اس کے حقیقی اسباب کے فہم کی طرف آنے کے لئے تیار ہی نہیں، ہماری نظر میں جب تک افرادِ قوم میں خودشنائی کی روح پیدا نہ ہو گی، ملک کے مقتدر طبقات میں دنیا کے کم سے کم حصہ پر راضی ہونے کی نفسیات پیدا نہ ہو گی، حرص وہوس کے جذبات مدھم نہ ہوں گے، تب تک مؤثر طبقات قومی جسد کو نوچتے رہیں گے اور ملک کی حالت زبوں سے زبوں تر ہوتی جائے گی، سطحی اقدامات اور طفل تسلیوں سے کام نہیں ہو گا،

شخصیت کو اندر سے تبدیل کرنے سے ہی دولت کے جنون سے نجات ملے گی اور حقیقی تبدیلی پیدا ہوگی، پچھلے چالیس سالوں سے عالمی اداروں سے جو اربہا ڈالر قرضے لے گئے، کیا یہ دولت چند خاندانوں کو ارب پتی بنانے کے لئے استعمال نہیں کی گئی، اس طرح قوم وملت کو اپنے مفادات کی خاطر غلامی کی نئی زنجیروں میں جکڑنے کی کوشش کی گئی۔

ہمارے حالات میں درستگی کا سارا عمل انسان کو حقیقی معنیٰ میں انسان بنانے اور اس کے خودشنائی کے جوہر کو اجاگر کرنے سے ہوگا، یقیناً اس عمل میں کچھ وقت لگے گا، لیکن اس سمت میں پہلا قدم تو اٹھایا جائے اور کام کا آغاز تو کیا جائے، صحیح سمت میں کام کے آغاز سے ہی اللہ کی طرف سے مدد کی صورتیں پیدا ہوتی جائیں گی۔

یہاں یقیناً یہ سوال پیدا ہوگا کہ مغرب کی مادہ پرست قوموں نے اپنے سیاسی، معاشی اور انتظامی نظام کو بہتر بنایا ہے، ان قوموں کے ہاں تو خودشناسی اور اللہ شناسی موجود نہیں، انہیں اپنے نظام کو بہتر بنانے میں کیسے کامیابی ہوئی؟ مغربی قوموں کے ہاں تعلیم میں قومی اخلاق اور قومی تربیت کے نام سے پورا نظام موجود ہے، جس میں ان کے افراد کی قومی اخلاق کی بنیادوں پر ذہنی تربیت ہوتی ہے، جس میں امانت اور دیانت، قومی خدمت کے حوالے سے احساس ذمہ داری جیسی چیزیں موجود ہیں، چنانچہ ان کے اہل سیاست میں کرپشن کی بیماری موجود نہیں، ان کی انتظامیہ میں کام چوری، رشوت اور بددیانتی وغیرہ موجود نہیں۔

مغرب کے برعکس ہم نے نہ تو مغرب کے قومی اخلاق کو اپنایا اور نہ ہی اپنے پاکیزہ اخلاقی نظام کی بنیادوں پر تربیت کا نظام اپنایا، اس کی جو سزا ہم بھگت رہے ہیں، وہ یہ ہے کہ ہماری قومی اور اجتماعی زندگی کا ہر شعبہ کرپشن کا شکار ہے، بہت ہو چکا، اب ہمیں بیدار ہونا چاہئے، ورنہ خطرہ ہے کہ کہیں قدرت ہمیں اپنے قانون مکافات کے تحت دوسری قوموں کے لئے عبرت کا نشانہ نہ بنائے۔

اللہ کا حقیقی طالب

اور اس کے کچھ حالات

اللہ کا طالب کافی عرصہ تک اللہ کی جلالی صفات کے عکس کے حالات سے گذرتا ہے، یہ جلالی صفات نفس کی قوت کو پامال کرنے اور اس کے زور کو توڑنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے، لیکن اللہ کی جلالی صفات کو برداشت کرنے کے لئے حوصلہ، ہمت اور استقامت چاہئے، طالب کو کیفیات کے ادل بدل سے روزانہ گذرنا پڑتا ہے، قبض اور بے قراری کی حالت غالب ہوتی ہے تو اس کے دل پر حشر برپا ہونے لگتا ہے، اس وقت وہ سراپا غم ہو جاتا ہے، وہ اپنی اس حالت زار کی محبوب سے شکوہ بھی نہیں کر سکتا، اس لئے کہ اس سے کہیں محبوب کی طرف سے اس سے راہ محبت سلب نہ کر دی جائے۔

مولانا رومی نے فرمایا ہے کہ طالب کے باغ دل سے ایک تنکہ بھی کم ہو جاتا ہے تو اس کے دل پر حشر برپا ہونے لگتا ہے۔

ایک بزرگ نے کہا ہے کہ درد عشق کو یوں سمجھو کہ دنیا میں جہاں بھی دکھ اور غم موجود تھے، ان سب کو ایک جگہ جمع کر کے، اس کا نام عشق رکھ دیا گیا، اب طالب سے کہا گیا ہے کہ وہ عشق کے ان مراحل کو طے کر کے، محبوب تک رسائی حاصل کر لے اور آخرت میں محبوب کی صفت جلال سے بچنے کی سعی کرے۔

حضرت نظام الدین اولیاء کی ملفوظات کی کتاب ''سیر اولیاء'' میں ہے کہ تین صاحب علم دوست حج پر گئے، تینوں نے بیت اللہ کو دیکھکر دعائیں کی، ایک نے دعا کی کہ یا اللہ مجھے قاضی القضا کا عہدہ عطا فرما، دوسرے نے دعا کی کہ یا اللہ مجھے مفتی اعظم کا عہدہ دلا دے، تیسرے

نے دعا کی کہ یااللہ مجھے اپنی محبت و معرفت کی دولت عطا فرما، وقت گذرتا گیا، قاضی القضا کے عہدہ پر فائز شخص کا انتقال ہو گیا، یہ عہدہ دعا کرنے والے کو عطا کیا گیا، اسی طرح مفتی اعظم کے منصب پر فائز شخصیت کا بھی وصال ہو گیا، یہ عہدہ دعا کرنے والے کو دیا گیا۔

لیکن محبت و معرفت کی دعا کرنے والی شخصیت کو بے قراری کے انگاروں کے علاوہ اور کچھ نہیں ملا، اس نے دعا کی کہ یااللہ میرے دوستوں کی دعا تو قبول ہوئی، لیکن میری دعا اب تک قبول نہیں ہوئی، اسے الہام ہوا کہ تمہاری دعا قبول ہوئی ہے، ہم جسے اپنی محبت و معرفت عطا کرتے ہیں، اسے اضطراب اور بے قراری کے حالات میں رکھتے ہیں۔

اللہ کے طالب کے بے قراری واضطراب کے یہ حالات دراصل بظاہر مصیبت، لیکن بباطن رحمت ہوتے ہیں، اس لئے کہ نفس کی خوفناک قوت جو انسانوں اور جنوں کی اکثریت کے لئے جہنم کا موجب بنے گی، اس قوت سے اللہ کی جلالی صفت کے انگاروں سے ہی جان چھوٹ سکتی ہے اور اس کی گرفت ڈھیلی ہو سکتی ہے، اور اس کی خواہشات کا زور ٹوٹ سکتا ہے، اس کی دوسری کوئی صورت نہیں ہے۔

ایسا طالب جو استقامت سے راہ محبت میں چلتا ہے، روزانہ آتش عشق کی بھٹی سے گذر کر، اس کے انگاروں کو بخوشی برداشت کر کے آگے بڑھتا ہے اور فنا کے مقامات طے کرنے تک محبوب کی اس ادا کو رضا خوشی سے برداشت کرتا ہے، اس طالب کی خوش نصیبی کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے، دنیا میں دولت کے مجنون اور اس کے لئے بے قرار ہونے والے افراد کی تو کوئی کمی نہیں ہے، لگ بھگ ہر فرد دولت کے حصول کے لئے بے قرار ہوتا ہے، لیکن اللہ کا طالب محض اللہ کو اپنانے اور اس تک رسائی حاصل کرنے کے لئے روزانہ نفسی قوتوں سے خوفناک جنگ لڑتا ہے اور روزانہ اللہ کے جلالی صفات کے عکسوں کو اپنے دل پر گرتا ہوا محسوس کرتا ہے، اس طرح کا حوصلہ مند طالب قابل تقلید اور لائق تعریف بھی ہے تو ساتھ ساتھ

معاشرے کی کریم بھی ہے، یہ دنیا اس کے دم قدم سے ہی قائم ہے، حقیقی عشق جو اس وقت نایاب ہے، یہ طالب اس کی نمائندگی کرتا ہے، اپنے حوصلہ اور اپنی استقامت سے دوسروں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ بزدلی کا بظاہر نہ کریں اور محبوب حقیقی کے لئے نفس کی قربانی دینے کے لئے آمادہ ہو جائیں، تاکہ ابدی زندگی میں شرمساری اور رسوائی سے بچاؤ کی صورت پیدا ہو اور محبوب حقیقی کی زیارت کی سعادت بھی۔

اس طرح کے حوصلہ مند طالب کے حالات دیکھکر رشک آتا ہے کہ وہ محبوب حقیقی کی معیت حاصل کرنے کے لئے روزانہ آتش عشق کی بھٹی سے گذرتا ہے اور روزانہ محبوب کے فراقِ غم میں خون کے آنسو بہاتا ہے اور زبانِ حال سے محبوب سے فریاد کرتا ہے کہ وہ اسے نفس کی خوفناک قوت کے حوالے کرنے سے بچالے اور راہ محبت کے اس کے سفر کو طے کرنے کے لئے وہ اسے ہر طرح کی مشکلات اور بے قراری کے انگاروں اور اپنی جلالی صفت کے عکس کے حالات سے گذرنے کی صلاحیت عطا فرمائے۔

اس طرح کے درد آشنا طالب کے حالات ایسے ہیں کہ وہ خون کے جس دریاء کو جس حوصلہ وہمت سے طے کرتا رہتا ہے، دل چاہتا ہے کہ اس کی سرفروشی اور محبوب کے لئے فدائیت کے حالات لکھکر، خود اپنے عشق کے جذبات کو مہمیز دی جائے۔

اللہ کی محبت کا یہ طالب جس تیز رفتاری سے چلتا ہے کہ سالوں کا سفر مہینوں میں طے کرتا ہے، وہ تھکنے کا نام ہی نہیں لیتا، وہ گرتا ہے تو پھر نئے حوصلہ کے ساتھ اٹھکر چلنا شروع کر دیتا ہے، راستہ کے نشیب و فراز اس کے سفر کو متزلزل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔

اس کی منزل مقصود نفسی قوتوں سے بڑی حد تک نجات حاصل کر کے، محبوب تک رسائی حاصل کرنا ہے، وہ جوں جوں آگے بڑھتا ہے، نفسی قوتیں اسی شدت سے اس پر حملہ آور ہو کر، اس کے حوصلے کو پست کرنے کے لئے کوشاں ہوتی ہیں، نفسی قوتوں کی طرف سے ہونے والے حملوں کے سارے مواقع پر محبوب کی طرف سے اس پر سکینت طاری کر کے،

اسے از سر نو آگے بڑھنے کے لئے ابھارا جاتا ہے، حقیقی طالب کی یہ روزانہ کی کہانی ہے، یہ عاشق کی محبوب کے لئے فدائیت کی کہانی ہے، جسے بڑے سے بڑے الفاظ بھی بیان کرنے سے قاصر ہیں۔

اللہ کا طالب صد بار مبارک کا مستحق ہے کہ وہ عشق کے ایسے لمبے سفر پر رواں دواں ہے، جس کا کوئی آخری سرا ہی نہیں ہے، اس لئے کہ جب تک زندگی ہے، تب تک نفس کے ساتھ معرکہ درپیش رہتا ہے، نفس، اللہ کی الوہیت میں شرکت کا دعویدار رہتا ہے، البتہ آخر میں آکر نفسی قوتوں کی شہ زوری ختم ہو جاتی ہے، تاہم طالب نے محبوب کے جن انوار حسن کا مشاہدہ کیا ہے، وہ اسے محبوب کے لئے آخری سانس تک چلتے رہنے پر اکساتے رہتے ہیں، محبوب کی راہ پر چلتے رہنا بجائے مقصود بھی ہے تو سعادت دارین کا ذریعہ بھی۔

اللہ کے طالب کے نفس کے خلاف مجاہدوں کا ایک مقصد دل کی بینائی کی بحالی ہوتا ہے، **من کان ھذہ اعمیٰ فھو فی لاٰخرۃ اعمیٰ** (جو اس دنیا میں اندھا رہا، وہ آخرت میں بھی اندھا ہو کر اٹھے گا) یہاں اندھے کا مطلب دل کا اندھا ہونا ہے، جب دل اندھا ہوتا ہے تو دین کی بہت ساری تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی صلاحیت مفقود ہو جاتی ہے، اس لئے کہ دل کو نفس پر غمال بنالیتا ہے، اللہ کا طالب دل کی بینائی کو بحال کر کے، دل کو اللہ کی محبت سے سرشار کرنے کے لئے غیر معمولی مجاہدوں سے کام لیتا ہے، یہاں تک کہ دل صاف وشفاف آئینہ بن جاتا ہے، جس میں فرد ایک تو اللہ کے انوار کے عکس کا مشاہدہ کرتا ہے، دوسرے یہ کہ دل پر اپنے اعمال کی نوعیت اور ان کی حقیقت کا ادراک ہونے لگتا ہے، اور دل باطنی بیماریوں کے بارے میں پوری قوت سے فتویٰ دینے لگتا ہے۔

طالب کے ان تھک مجاہدوں کی زندگی قابل رشک ہے کہ وہ اپنی شخصیت کو مکمل طور پر اللہ کے حوالے کرنے اور کامل اخلاص ویقین کے ساتھ اللہ کے لئے زندگی گذارنے کے لئے غیر معمولی مجاہدوں سے کام لیتا ہے۔

اللہ کی محبت سے بہرہ وری اور محرومی اور زندگی پر پڑنے والے اس کے اثرات

اللہ کی راہ محبت ایسی ہے کہ اس میں تیز رفتاری سے نہ سہی، سست رفتاری سے ہی سہی چلتے رہنا چاہئے، اس لئے کہ اس سے دل کے باغیچے کھلتے ہیں، جس سے خوشگوار اور خوشبودار ہوائیں چلتی ہیں، جو پوری انسانی شخصیت کو معطر کر دیتی ہیں، اس سے ایمان ویقین سے سرشار ایک نئی زندگی عطا ہوتی ہے، اس سے روزمرہ زندگی میں پیدا ہونے والے منفی احساسات جو شخصیت کو نفسیاتی طور پر بیمار کر دیتے ہیں، ان احساسات میں پاکیزگی پیدا ہوتی ہے، اللہ کی راہ محبت میں چلتے رہنے سے ایک معنوی اور حقیقی زندگی عطا ہوتی ہے، جو نفس اور ذہن کی مادی قوتوں پر فتحیابی حاصل کر لیتی ہے، اس سے زندگی کے ہر معاملے کے منفی پہلوؤں کے بجائے مثبت پہلو پیش نظر رہتے ہیں۔

اس سے نفس کی قوتوں کا ادراک ہوتا ہے اور ان سے بچاؤ کی صورت بھی پیدا ہوتی ہے، سب سے بڑی بات یہ کہ اللہ کی محبت سے اللہ سے مستحکم تعلق پیدا ہونے لگتا ہے، جس سے فرد، انسانی جوہروں سے بہرہ ور ہونے لگتا ہے۔

موجودہ دور میں جب کہ حقیقی انسانیت کا بحران پیدا ہو گیا ہے، انسان آزاری کی روش عام ہو گئی ہے، ایسے دور میں انسانیت کا پیدا ہونا، اور انسانوں سے اس کے شایانِ شان کے مطابق معاملہ کرنا اور انسانیت کے درد کا پیدا ہونا، کتنی بڑی سعادت اور خوش قسمتی کی بات ہے، اللہ کی محبت اس لئے بھی ضروری ہے کہ فرد دنیا میں رہتے ہوئے، مادی سرگرمیوں میں مصروف ہوتے ہوئے، دنیا سے بے نیاز رہتا ہے، یعنی دل سے دنیا کی محبت نکلنا شروع ہو جاتی

ہے اور دنیا کا رعب ختم ہونا شروع ہو جاتا ہے، آج کا انسان جو اپنا دل دنیا کو دے چکا ہے، اس طرح کے حالات میں دنیا سے محبت کا نہ ہونا اور دنیا و سامان دنیا سے بے نیازی کی روش کا ہونا، یہ اللہ کی محبت ہی کا خاصہ ہے، یہ سعادت کسی دوسرے طریقے سے حاصل ہونا مشکل ہے۔

اللہ کی محبت دل، روح اور عقل میں مطابقت پیدا کرتی ہے، جس کی وجہ سے دوئی، دورنگی، تضاد، منافقت اور منافقانہ روش سے بچاؤ کی صورت پیدا ہوتی ہے۔

اللہ کی محبت فرد کو زندگی کے ہر موڑ پر احساس تنہائی اور احساس عدم تحفظ سے بچا کر، خود اعتمادی کا حامل بنا دیتی ہے، موجودہ دور میں مادیت پرست ماحول کے غلبہ کی وجہ سے جتنے بھی ذہنی، نفسیاتی اور وجدانی مسائل پیدا ہوئے ہیں، اللہ کی محبت سرے سے ان مسائل کو پیدا ہی نہیں ہونے دیتی، اس لئے کہ جو فرد محبوب حقیقی کی معیت میں رہتا ہو، مادہ پرستی کی طوفانی لہریں اس کا کیا بگاڑ سکتی ہیں۔

اللہ کی محبت سے فرد اس دنیا سے زیادہ آخرت کا انسان بن جاتا ہے، یعنی اس کے احساسات آخرت رخی بن جاتے ہیں۔

مادہ پرستی کی عالمی اور مقامی قوتوں نے انسانی زندگی میں جو ہمہ گیر فساد برپا کیا ہے، جس سے انسانی شخصیت زیر وزبر ہو جاتی ہے، لوگوں میں گھبراہٹ اور مایوسی کی فضا پیدا ہونے لگتی ہے، اللہ کی محبت کا حامل فرد ہمہ گیر فساد کی ان طوفانی لہروں سے نہ صرف متاثر نہیں ہوتا، بلکہ وہ فساد زدہ قوتوں سے مقابلے کے سلسلہ میں اپنے حصہ کا کردار ادا کرنے کے لئے کوشاں ہوتا ہے، اس کی واضح مثال افغانستان میں طالبان کا کردار ہے کہ انہوں نے عالمی قوتوں کو شکست سے دوچار کر کے، ان کے رعب اور دبدبے کو ختم کر دیا۔

جو افراد اللہ کی محبت کے اجزاء سے محروم ہیں، ایسے افراد ہر اعتبار سے قابل رحم ہیں، انہیں مادیت پرستی کی طوفانی لہریں ہر وقت زیر وزبر کرتی رہتی ہیں، وہ پاکیزہ احساسات سے

سرے سے ناآشنا رہتے ہیں، وہ خود اعتمادی کے بحران سے دوچار رہتے ہیں، وہ قومی، ملی، سیاسی اور معاشی حالات کی خرابی کی وجہ سے شدید خوف زدہ ہو جاتے ہیں، ان کی شخصیت داخلی تضادات سے دوچار رہتی ہے، دولت ہونے کے باوجود وہ ذہنی اور قلبی سکون سے محروم رہتے ہیں۔

اس تجزیہ سے معلوم ہوگا کہ اللہ کی محبت ایسی نعمت عظمیٰ ہے، جس میں ساری نعمتیں آجاتی ہیں، جب کہ اللہ کی محبت سے محرومی ایسی سزا ہے، جو ساری سزاؤں پر بھاری ہے، اس لئے اللہ کی محبت میں اول تو تیز رفتاری سے چلنا چاہئے، تاکہ نفسی قوتوں اور مادیت پرستی کی قوتوں کو جلدمات دینے کوششوں میں کامیابی حاصل ہو، لیکن اگر تیز رفتاری سے چلنے کی ہمت نہیں ہے تو جیسے تیسے بھی اس راہ میں چلنا ضرور چاہئے۔

دوسری صورت میں گویا اللہ کو بھلا دینا ہے، اللہ کو بھلا دینے کی جو سزا ملتی ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ ان کو بھلا دیتا ہے، اللہ کی طرف سے بھلا دینے سے مصائب و مسائل کا ایسا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے کہ فرد، افراد اور قوموں کی زندگی اجیرن بن جاتی ہے، اِس وقت پوری انسانیت اور بالخصوص مسلم دنیا کی جو حالت ہے، وہ اس کی پوری عکاسی کرتی ہے۔

قرآن میں ہے **ولاتکونو کاالذین نسو ا الله فانسٰهم انفسهم** ان لوگوں جیسے نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے ان کے نفسوں کو بھلا دیا۔

واضح ہو کہ اللہ کی محبت اللہ کی یاد کے استحضار کا ذریعہ ہے، اللہ کی یہ یاد اور اس کا یہ ذکر اہل اللہ کی مجلسوں میں شرکت سے حاصل ہوتا ہے اور ذکر کا مزاج پختہ ہونے لگتا ہے، اللہ کے کثرت ذکر سے اللہ کی محبت کا ملکہ راسخ ہوتا ہے، اس سے **صبغة الله** (اللہ کا رنگ) غالب ہوتا ہے اور سیرت و کردار میں پاکیزگی پیدا ہوتی ہے، اور مادیت کی دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی روش سے انکار کی نفسیات غالب ہوتی ہے اور اللہ کی مخلوق کی بہتری کے لئے دردمندی و فکرمندی پیدا ہوتی ہے۔

اللہ کی طرف سے طالب پر

بظاہر حالت امتحان بباطن حالت انعام

اللہ کا متوسط طالب اپنے آپ کو قابل رحم سمجھتا ہے کہ اس کی کیفیات تھمنے کا نام نہیں لیتی اور اسے حالات کی طوفانی لہریں زیر وزبر کر دیتی ہیں، نیز اس کے حالات میں استقامت پیدا نہیں ہو پاتی، ہوا کے معمولی جھوکوں سے وہ ہل کر رہ جاتا ہے، دراصل متوسط طالب پر یہ حالات اسے مستحکم کرنے کے لئے آتے ہیں، اور اس لئے آتے ہیں، تاکہ وہ نفس کی قوتوں کا پوری طرح مشاہدہ کرلے اور اپنے آپ کو مکمل طور پر محبوب کے سپرد کردے۔

قرآن میں ہے **کذالک لنثبت به فوادک ورتلنٰه ترتیلا** (یہ قرآن ہم آپ پر ٹھہر ٹھہر کر اتار رہے ہیں تاکہ آپ کے دل کو ثابت قدم رکھیں۔)

یہ اللہ کی سنت ہے کہ علوم وفنون کا حصول ہو یا مستحکم ایمان کی حالت اور اللہ سے محبت کے ارتقائی مراحل، ان ساری چیزوں میں کمال بیک وقت حاصل نہیں ہوتا، بلکہ ان کا ملکہ بتدریج حاصل ہوتا ہے، اس لئے متوسط طالب کا دل اگر زیر وزبر ہوتا ہے اور اس میں ٹھہراؤ پیدا نہیں ہوتا تو یہ تشویش کی بات نہیں ہے، بلکہ ایسا ہونا فطری عمل ہے، رسوخ اور استقامت کافی عرصہ تک چلتے رہنے سے وابستہ ہے۔

اس طرح کے حالات میں تجربہ کار طالب، متوسط طالب کو اپنے مشاہدات کی بنا پر یقین دلاتا ہے کہ انشاءاللہ وہ ایک دن منزل مقصود تک پہنچ کر رہے گا، اس کی غیر معمولی فکر مندی اور بہت زیادہ تشویش صحیح نہیں، ہاں البتہ یہ صحیح ہے کہ عشق کا راستہ دنیا میں سب سے زیادہ دشوار گذار راستہ ہے، نفس کو مہذب بنانا، اللہ کے لئے اسے یکسو کرنا، مادی حجابات سے اسے بلند کرکے، اللہ کے لئے خالص کرنا، ایسا کام ہے جس میں بے شمار رکاوٹوں، دشواریوں اور حساسیت کے غیر معمولی حالات سے گذرنا پڑتا ہے، اللہ کی طرف سے یہ راستہ خوش نصیب ترین افراد ہی کے لئے وا ہوتا ہے، یہ ہر ایک کے بس بات نہیں ہوتی۔

تجربہ کار طالب چونکہ عرصے تک نفس کے ان مدوجزر سے گذرا ہے، اس لئے اس کی طرف سے متوسط طالب کو یہ تسلی دینا، محض حوصلہ افزائی کے لئے نہیں ہوتا، بلکہ اس سلسلے میں اس کے یقین کو پختہ کرنے کے لئے بھی ہوتا ہے کہ اللہ اپنے محب کا سب سے زیادہ قدر دان ہے، وہ اس کی محنتوں اور مجاہدوں کو کسی بھی قیمت پر ضایع نہیں کرے گا، اللہ اپنے محب کا سب سے زیادہ قدر دان ہے، اس کی ایک بڑی علامت یہ بھی ہے کہ طالب پر جب بے قراری کے انگارے برستے ہیں تو معًا بعد طالب پر سکون وسکینت کی حالت غالب کردی جاتی ہے۔

چونکہ نفس کی ساخت ہی ایسی ہے کہ وہ کسی طرح جان چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتا، وہ انسانی شخصیت کے ساتھ چپکا رہتا ہے اور اللہ کی الوہیت میں شرکت کی دعویداری سے کسی صورت میں دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہوتا، جب کہ بندہ سے اللہ کا تقاضا یہ ہے کہ وہ نفس کو ایک طرف رکھکر، اس کے پاس آئے، اس لئے طالب کو نفس کے خلاف عرصے تک مجاہدوں سے کام لینے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔

یہ مجاہدے فرد میں انسانیت پیدا کرنے کے بھی ضروری ہیں تو اللہ سے یکسوئی کے رشتے کو مستحکم کرنے کے لئے بھی۔ اس لئے اس سلسلے میں طالب کو جو بھی رکاوٹیں اور مصائب درپیش ہوں، انہیں حوصلے کے ساتھ برداشت کرنا ضروری ہے، مسلسل استقامت کے نتیجے میں ایک وقت ایسا آئے گا کہ طالب دیکھے گا کہ نفس جیسی خوفناک طاقت اس کے قابو میں آئی ہے، اب یہ طاقت خود محبوب کی راہ پر چلنے، محبوب کی رضا پر راضی رہنے اور شریعت پر استقامت سے گامزن ہونے میں معاون ومددگار ثابت ہورہی ہے، اس لئے کہ آتش عشق نے اس کی بنیادوں کو اکھاڑ دیا ہے، اور اس کی حالت کو تبدیل کرکے، اسے مطمئنہ کے مقام تک پہنچایا ہے۔

ایں سعادت زور بازو نیست

دنیا میں کروڑہا انسان آتے ہیں، دنیا کو مقصود بنا کر زندگی گذار کر مر جاتے ہیں، وہ سرے سے اللہ کی محبت سے آشنا ہی نہیں ہوتے، اس صورتحال میں اللہ کا طالب اگر

غور و فکر سے کام لے تو اسے معلوم ہو گا کہ اس پر اللہ کا سب سے بڑا انعام ہے کہ اس نے اسے اپنی محبت کی نعمت نصیب فرمائی، یہ عطا ایسی ہے کہ محبوب پر سو بار فدا ہوا جائے تو بھی نعمت کا حق ادا نہیں ہو گا۔

موجودہ مادیت پرستی اور نفسانیت کے ہمہ گیر غلبے کے دور میں اللہ تعالیٰ جس بندے پر اپنی راہ محبت کا راستہ کھول دے، اس پر گویا اللہ نے اپنی نعمتوں کی تکمیل کر دی، اس لئے کہ اللہ کی محبت میں چلتے رہنے اور اس کے ارتقائی مراحل طے کرنے سے انسانیت کے سارے جو ہر عطا ہوتے ہیں، اور محبت کے سارے جذبات کی تسکین ہوتی ہے اور دنیا کے حوالے سے سارے ارمان کالعدم ہوتے ہیں۔

موجودہ دور میں مادی مصروفیات کی وجہ سے راہ محبت میں چلنے کے لئے چونکہ زیادہ وقت نکالنا دشوار ہوتا ہے، اس لئے طالب کا دل مغموم رہتا ہے، اس کا دل چاہتا ہے کہ اسے محبوب کے ساتھ زیادہ سے زیادہ خلوت کا موقعہ دیا جائے، جب دل کو خلوت کا یہ موقعہ مہیا نہیں ہوتا تو وہ سخت تشویش میں مبتلا ہو جاتی ہے، دل کی اس تشویش کے زیر اثر ذہن، نفسیات اور پوری شخصیت اضطراب سے دوچار ہونے لگتی ہے، اس اضطراب سے بچنے کی ایک تو صورت یہ ہے کہ روحانی استاد سے زیادہ رابطہ میں رہا جائے، دوم یہ کہ اپنی بساط کے مطابق ذکر و فکر کے لئے جتنا وقت نکالا جا سکتا ہے، نکالا جائے۔

ہمارے ہاں صدیوں سے اللہ کے حقیقی طالبوں کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ دنیاوی مصروفیات کو کم کر کے، زیادہ وقت راہ محبت میں صرف کرتے تھے، اس سے دل اور ذہن میں محبوب کے لئے یکسوئی پیدا ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے راہ سلوک کے جلد طے ہونے کی صورت پیدا ہو جاتی ہے، موجودہ دور میں ایسا ہونا شدید دشوار ہے، تاہم طالب جتنا بھی اس سلسلے میں وقت نکال سکتا ہے، اسے نکالنا چاہئے، اور قبض و بے قراری کے انگاروں کو حوصلے و ہمت سے برداشت کرنا چاہے، اس لئے کہ بے قراری کے انگارے راہ سلوک کا ناگزیر حصہ ہیں، حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کا فرمان ہے کہ تصوف سے بے قراری کو نکال دیا جائے گا تو تصوف باقی نہ رہے گا، یعنی محبوب کے لئے بے قراری نعمت سے کم نہیں، یہی بے قراری طالب کو محبوب کی راہ پر چلنے پر اکساتی رہتی ہے، بے قراری نہ ہو تو طالب کے لئے مجاہدوں کے لئے وقت نکالنا دشوار ہوتا ہے۔

نفس اور اس کی آلہ کار خیالی قوت کے طلسم سے آزادی حاصل کرنے کا کام

خیالی قوت جو نفس کی آلہ کار بن کر ساری انسانی شخصیت پر غالب اور حاوی ہو جاتی ہے، اور زندگی کا نقشہ مادیت کی بنیادوں پر استوار کرنے لگتی ہے، اللہ کا طالب ذکر و مراقبہ کے مسلسل عمل کے ذریعہ اس خیالی قوت کو نفسی قوتوں کی گرفت سے آزادی دلا کر، اسے دل اور روح کی جوہری قوتوں کے تابع کر دیتا ہے۔

یہ خیالی قوت جو پہلے مادیت اور نفس پرستی کے خیالات کا طوفان برپا کر دیتی تھی، جس سے فرد کے لئے ذکر و مراقبہ کرنا اور اخلاص کے ساتھ نیکی کے کاموں کو سرانجام دینا دشوار تر تھا، اب ذکر و مراقبہ کی مسلسل مشقوں کے ذریعہ یہ خیالی قوت صحتمند خطوط پر استوار ہو گئی ہے، اب یہ دل کی ہمنوا ہو کر، اللہ سے قرب کے مقامات طے کرنے میں دل کی معاون و مددگار بن گئی ہے، اب طالب کی حالت یہ ہو گئی ہے کہ مراقبہ کے لئے بیٹھتے ہی اس کی روحانی پرواز بلند ہونے لگتی ہے اور ذکر سے دلجمعی پیدا ہونے لگتی ہے۔

خیالی قوت کا نفسی قوتوں کی یرغمالی سے آزاد ہو کر اور دل اور روح کا ہمنوا ہو کر محبوب کی طرف سفر اختیار کرنا، یہ بہت بڑی کامیابی اور بڑی سعادت ہے، یہ کامیابی حوصلہ، ہمت اور استقامت سے ہی حاصل ہوتی ہے، شروع میں تو یہ حالت ہوتی ہے کہ طالب جوں ہی مراقبہ شروع کرتا ہے، خیالی قوت وسوسوں کے ذریعہ اسے گھیر گھار کر اس کے مراقبہ کے عمل کو ناکام بنا دیتی تھی، یا بیس پچیس منٹ کے مراقبہ میں دس پندرہ منٹ تک تو وسوسوں کا ہجوم رہتا تھا، اور خیالات کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری رہتا تھا، جب طالب نے نفسی قوتوں کے آلہ کار عقل کے بچھائے ہوئے جال کا حوصلے سے مقابلہ کیا تو اللہ نے طالب کے لئے راہیں ہموار کر دیں اور عقل کو بڑی حد تک دل اور روح کا ہمنوا بنا دیا۔

خیالی قوت کو قابو کرنا آسان کام نہیں، جان توڑ مجاہدوں کے ذریعہ ہی یہ خیالی قوت قابو میں آتی ہے اور پاکیزہ خطوط پر سوچنے لگتی ہے، بلکہ ایک وقت آتا ہے کہ خیالی قوت زبانِ حال سے دل سے کہتی ہے کہ مجھے ذکر میں اپنا ہمنوا بنالو اور اسم ذات کے ذکر و مراقبہ کے انوار سے فیضیاب کرلو۔

خیالی قوت کو دل کے تابع کرکے، اسے پاکیزہ خیالات کی راہ پر گامزن کرنا، یہ دراصل نفس کو قابو کرنا اور اسے شکست دینے کے مترادف ہے، خیالی قوت جو نفس کا سب سے بڑا ہتھیار ہے، اس کا قابو میں آنا نفس کا قابو میں آنا ہے۔

نفس کا بڑی حد تک قابو میں آنا اور اس کی سرکشی کے زور کا ٹوٹ جانا اور اللہ اور اس کی اطاعت پر رضا خوشی سے آمادہ ہونا، نفس کی یہی حالت نفس مطمئنہ کی حالت ہے، جو بڑی مشقتوں سے حاصل ہوتی ہے۔ ایسا طالب دنیا میں سب سے زیادہ خوش نصیب ہے، ورنہ عام طور پر فرد کی حالت یہ ہے کہ نفس کی اکساہٹ پر خیالی قوت اسے قارون کا سا خزانہ جمع کرنے کی طرف راغب کرتی ہے، ہم اپنے معاشرے کے چاروں طرف نظر کریں تو ہمیں ایسے اہل سیاست، اہل تجارت، اور مختلف فنوں کے ماہرین اور اور انتظامیہ سے وابستہ افراد نظر آئیں گے جو نفس کی آلہ کار خیالی قوت کا زندہ نمونہ ہیں، جو قوم اور ملت کی قسمت پر دولت سے کھیلتے ہیں، لیکن اللہ کا طالب اللہ کے فضل خاص سے نفس اور اس کی آلہ کار خیالی قوت کے طلسم سے آزادی حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکا ہے۔ اسے دولت و دنیا اپنی طرف راغب کرنے میں کامیاب نہیں ہوتی۔

اللہ کے مخلص طالب کی خواہش و آرزو ہوتی ہے کہ کاش کہ معاشرے کے مؤثر طبقات، نفس اور اس کی آلہ کار خیالی قوت سے آزاد ہونے کی راہ پر گامزن ہوں، تاکہ دولت اور دنیا کے فریب سے بچ کر، صحیح خطوط پر ملک و ملت کی تعمیر کا کام ہو سکے۔

جدید نظریاتی چیلنج۔ کا ہمارے لئے موت و حیات کی حیثیت اختیار کرنا۔ اللہ کے طالب کی فکر مندی

اللہ کے طالب کی آرزو ہے کہ دور جدید کے علمی نوعیت کے چیلنج کو سمجھکر اس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے طبقہ علماء کی طرف سے کاوشیں ہوں، اس سلسلے میں ملک کی بڑی جامعات کی طرف سے نکلنے والے رسالوں کو خالص مذہبی نوعیت کے مسائل سے آگے بڑھکر امت کو درپیش علمی، فکری اور عملی نوعیت کے چیلنج جیسے مسائل کے فہم کے لئے مضامین کا خصوصی اہتمام کرنا چاہئے، دوسری صورت میں اس بات کا خطرہ ہے کہ خود علمائے کرام کی اپنی اولاد جدیدیت کی طوفان خیز بلا کا شکار ہو کر، معاشرے کو سیکولر معاشرے میں تبدیل کرنے میں کامیاب نہ ہو جائیں۔

جدید نظریات دو ڈھائی سو سال پہلے مغرب سے اٹھے اور مغربی معاشرے کو ان نظریات نے مادیت پرستی کی طوفانی لہروں میں مبتلا کیا، چونکہ ان نظریات میں خدا، رسالت، وحی اور آخرت کا انکار تھا اور ریاست کا نظام ان نظریات کی بنیاد پر تشکیل دیا گیا، اس لئے اہل مغرب نے خواہشات سے مغلوب ہو کر ان نظریات کو اپنے دل کی آواز سمجھا، ان نظریات کا لازمی نتیجہ سیکولرزم، لبرل ازم، جدیدیت، جنسی آوارگی اور مادر پدر آزادی تھا، اس لئے مغربی معاشرہ دین و مذہب سے بغاوت، نفس پرستی اور مادیت پرستی کی آخری حدود تک پہنچ گیا، یورپی طاقتوں کے غلبہ کی وجہ سے مسلم دنیا میں بھی جدید تعلیم یافتہ افراد کے قابل ذکر طبقہ نے ان نظریات کو دل و جان سے قبول کیا۔

ہمارے ہاں پچھلے سو سال سے مادیت پرست افراد معاشرے کو ان نظریات کی گرفت میں لانے کے لئے کوشاں ہیں۔

سوشل میڈیا کے وجود میں آنے کے بعد ان نظریات کے حاملین کو سوشل میڈیا کے ذریعہ سیکولرزم اور دین ومذہب سے آزادی اور مادی کلچر کو فروغ دینے کے غیر معمولی مواقع حاصل ہوئے، ان طبقات کو ایک بڑا سہارا یہ حاصل ہوا کہ عالمی سرمایہ دار نے این جی اوز کے نام پر ان کے لئے دولت کے دہانے کھول دیئے، جس سے وہ مادی خوشحالی سے بھی سرفراز ہوئے۔

سیکولر طبقات نے میڈیا کے ذریعہ معاشرے کو سیکولر معاشرے میں تبدیل کرنے کے لئے کوشش تیز کردی ہیں۔ جنرل مشرف کے دور حکومت میں ان کو حکومت کی سرپرستی بھی حاصل ہوئی، اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ سوشل میڈیا اس وقت ہمارے معاشرے کا سب سے طاقتور ادارہ ہے، جو ملک کے کروڑہا افراد کی ذہن سازی کا کردار ادا کر رہا ہے۔

سوشل میڈیا میں جدید اسلامی اسکالر بھی سامنے آئے ہیں، جو اسلام کی جدید ایڈیشن کی تیاری کے کام میں مصروف ہیں، ان کا سارا زور اس بات پر ہے کہ قرآن وسنت کی خود ساختہ تشریح کرکے، لوگوں کی بزرگان دین اور سلف صالحین کی اسلامی تشریح پر اعتماد کو ختم کردیا جائے، اس لئے کہ جب تک نوجوان نسل کا سلف صالحین کی اسلامی تشریح پر اعتماد قائم ہے، تب تک وہ ان کی خود ساختہ اسلامی تشریح (جس میں سیکولرزم، آزادی، عقلیت پرستی اور نفس پرستی کے اجزاء موجود ہیں) اسے اپنانے اور ان کی طرف راغب ہونے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔

بہر حال ان حالات میں ضرورت ہے کہ طبقہ علماء کی طرف سے سیکولرزم، جدیدیت اور آزاد خیالی پر مشتمل جدید نظریات کو سمجھکر ان نظریات کی علمی تردید اور نوجوان نسل کی جدیدیت سے ہمہ آہنگ ذہنی سطح کو پیش نظر رکھکر، ان کی فکر کی صحیح ذہن سازی کا فریضہ

سرانجام دیں، اس سلسلے میں ایک تو بڑی بڑی جامعات کی طرف سے نکلنے والے رسالوں میں سیکولر نظریات اور جدید اسلامی تشریح پر اعلیٰ علمی نوعیت کے مضامین شایع ہوں، جس میں استدلال اور غیر جذباتی طور پر ان نظریات کا رد ہو ان مضامین کے ذریعے مدارس سے نکلنے والے علماء کی جدید حوالوں سے علمی صلاحیت میں اضافہ ہوگا اور وہ نوجوان نسل کو ذہنی طور پر سنبھالنے میں اہم کردار ادا کریں گے۔

اس سلسلے میں اب تک طبقہ علماء کی طرف سے کوئی خاص کردار ادا نہیں کیا گیا ہے، جس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ وہ جدید نوعیت کے علمی، فکری اور نظریاتی چیلنج کو اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے لاکھوں سے زیادہ ذہین افراد سیکولر فکر کے حامل بن چکے ہیں، جو تعلیمی اداروں، انتظامیہ، اخبارات، سوشل میڈیا اور سیاسی پارٹیوں میں پھیل چکے ہیں۔

جدید نظریات کے حقیقی فہم اور ان نظریات کی علمی کمزوریوں کی نشاندہی اور ان نظریات پر اسلام کی برتری کے موضوع پر اس دور میں سب سے زیادہ جس شخصیت نے کام کیا ہے وہ ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی شخصیت ہے، اس سلسلے میں ان کی کتابیں قرآن اور علم جدید، تعلیم کے ابتدائی بنیادی اصول، اسلام اور سائنس اور حکمت اقبال جیسی کتابیں موجود ہیں، کاش کہ طبقہ علماء میں کچھ ذہین علماء کرام سامنے آئیں، جو ان کتابوں کے سیر حاصل مطالعے کے ذریعہ جدید نوعیت کی علمی چیلنج سے پوری طرح آشنا ہو کر، جدید علمی اسلحے کے ذریعہ نوجوان نسل کی ذہن سازی کا کام کرنے کے لئے وقف ہو جائیں۔

تین طبقات میں معاشرے میں فساد برپا کرنے کے جراثیم کا ہونا

اللہ سے محبت اور معرفت چونکہ فطرت انسانی کا ناگزیر تقاضا ہے، اس لئے معاشرے کا جو طبقہ بھی اس سے محروم رہے گا، اسے سزا ملکر رہتی ہے، وہ سزا فکری انتشار، ذہنی دباؤ اور احساسات کی ناپاکیزگی کی صورت میں ہوتی ہے، لیکن تین طبقات ایسے ہیں، جنہیں اس کی سزا زیادہ ملتی ہے، ایک مالداروں کا طبقہ ہے، دوسرا اہل علم واہل عقل کا طبقہ ہے، تیسرا افسروں، حکمرانوں اور اہل منصب کا طبقہ ہے، اگر یہ طبقات اللہ کی محبت و معرفت کے اجزاء سے محروم ہوں گے تو وہ انانیت، بڑے پن، عیش و عشرت، دنیا پرستی اور علمی برتری کے مرض میں مبتلا ہو کر آپے سے باہر ہو جائیں گے، وہ ظلم، زیادتی اور معاصی میں آگے ہی بڑھتے جائیں گے۔

ان تینوں طبقات کو دولت، منصب اور علمی وذہنی برتری، محبت و معرفت کی راہ پر نہ صرف گامزن ہونے نہیں دیتی، بلکہ ان سے محبت و معرفت کا ادراک ہی سلب ہو جاتا ہے، اس لئے کہ وہ دولت، منصب اور علمی وذہنی برتری کی نفسیات میں جیتے ہیں، وہ بالاتر نفسیات کی وجہ سے یہ سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں کہ دولت، منصب اور علم و عقل سے بھی بڑھکر کوئی چیز ہے جس کی انہیں ضرورت درپیش ہے اور جس کے حصول کے لئے انہیں کاوشوں کی ضرورت ہے۔

چونکہ تینوں طبقات معاشرے کے سب سے مؤثر طبقات ہوتے ہیں، اس لئے وہ حقیقی محبت و معرفت سے محرومی کی وجہ سے نفس کے یرغمال شدہ عقل ہی کو سب کچھ سمجھکر اس کے زیر اثر فیصلے کرتے ہیں، اس طرح وہ معاشرے کو سب سے زیادہ نقصان پہنچانے کا باعث بنتے ہیں، بلکہ معاشرے میں برپا شدہ فساد میں ان تین طبقات کا سب سے اہم کردار ہوتا ہے۔

ان تین طبقات کی برتری کی نفسیات انہیں سجھاتی ہے کہ قوم کی رہبری کرنے کا حق انہی کو حاصل ہے، اس لئے کہ وہ دولت، منصب اور علم سے مالا مال ہیں، یہ چیز انہیں انانیت

اور خودرائی کا حامل بنا دیتی ہے، اللہ کو بندے کی جو ادا سب سے زیادہ ناپسند ہے وہ یہی ہے کہ وہ تکبر کے مقام پر فائز ہو۔

ان تین طبقات میں موجود خرابیاں بتا کر نہیں آتی، بلکہ وہ تزکیہ اور معرفت سے محرومی کا لازمی نتیجہ ہوتی ہیں، چونکہ وہ معاشرے کے مؤثر طبقات ہیں، اس لئے وہ ان خرابیوں کی وجہ سے معاشرے کو جتنا بھی نقصان پہنچائیں کم ہے۔

دولت، منصب اور علم وذہانت کے ساتھ اگر تزکیہ اور معرفت آجائے تو وہ قوم سب سے زیادہ خوش قسمت قوم شمار ہوتی ہے، اس لئے کہ ایسی قوم کے مذکورہ طبقات اللہ شناسی اور نفس شناسی کی وجہ سے ایسی پالیسیاں اپناتی ہے، جو ملک وملت کے لئے باعث خیر ثابت ہوتی ہیں۔

قدرت جب کسی ملت پر فیاض ہوتی ہے تو وہ ان تین مؤثر طبقات کو حقیقت شناس اور خودشناس بنا دیتی ہے۔

اس وقت ہمارا ملک ہی نہیں، بلکہ ساری دنیا جس ہمہ گیر وہمہ جہتی فساد وبحران سے دوچار ہے، وہ سارا فساد انہی تین طبقات ہی کا پیدا کردہ ہے، اس لئے کہ یہ طبقات نفس کے یرغمال شدہ عقل سے بلند ہو کر، حقائق کو سمجھنے، انسان کی نوعیت، اس کی ضروریات اور اس کے بنیادی مسائل کے فہم سے قاصر ہوتے ہیں، چنانچہ وہ دولت، منصب اور علم وذہانت سے ایسی پالیسیاں اختیار کرنے پر گامزن ہوتے ہیں، جس سے انسانیت ایک دوسرے سے حالت تصادم میں رہتی ہے، دولت کا ارتکاز چند طبقات کی طرف ہوتا ہے اور اللہ کی مخلوق نانِ شبینہ کی محتاج ہوتی ہے۔

ویسے دیکھا جائے تو دولت، منصب اور علم و عقل کی اہمیت مسلمہ ہے، یہ ایسی چیزیں ہیں، جن کے بغیر کوئی بھی قوم نہ صرف ترقی نہیں کر سکتی، بلکہ وہ چل ہی نہیں سکتی، لیکن تزکیہ اور معرفت سے محرومی کی وجہ سے ان تینوں طبقات میں فساد کے ایسے جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں، جس سے وہ پوری قوم میں یہ جراثیم منتقل کرنے کا باعث بنتے ہیں۔

دنیا طویل عرصہ سے فساد کی زد میں ہے، عالمی سطح سے لے کر قوموں کی سطح تک کوئی ایسا نظام متشکل نہیں ہو رہا ہے، جس سے انسانیت سکھ کا سانس لے سکے اور ہر انسان کی کم سے کم بنیادی ضروریات پوری ہو سکے اور انسان، نفساتی اور ذہنی مسائل کا شکار ہونے سے بچ سکے، اس کا بنیادی سبب یہی ہے کہ مذکورہ طبقات جن کے حوالے قوموں کی باگ ہے، وہ خود شناسی اور حقیقت شناسی سے محروم ہیں اور برتری کی نفسیات انہیں انسانیت کے حقیقی مسائل اور ان کی نوعیت کو سمجھنے نہیں دے رہی ہے۔

جب تک دولت، منصب اور علم و عقل کی وجہ سے پیدا ہونے والی برتری کی نفسیات موجود ہے، تب تک انسانیت کے مسئلہ کے حل کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، اس لئے کہ نفس شناسی، اللہ شناسی اور معرفت کے بغیر ان تینوں چیزوں کی حامل قیادت جو عالمی سطح سے لے کر ملکوں کی سطح تک قوموں کی قیادت کے منصب پر فائز ہے، وہ بینا دل سے محروم ہیں، وہ نفس کے بت کدے کی پجاری ہیں اور وہ ذاتی اور طبقاتی مفادات کی اسیر ہیں، اس طرح کی قیادت سے حق شناسی، حقیقت شناسی، سلیقہ انسانیت سے بہرہ وری اور انسانی مسائل کی حقیقی نوعیت کو سمجھنے کی صلاحیت سلب کر لی جاتی ہے، ان حالات میں امید کی ایک کرن موجود ہے وہ یہ ہے کہ افغانی ملت جس نے پہلے سوویت یونین اور اب امریکہ اور یورپ کی مشترکہ طاقت کو شکست سے دوچار کیا، ان کے سر غرور کو توڑا، یہ افغانی ملت داخلی مسائل سے عہدہ برآ ہو کر مستحکم ہو جائے تو وہ انشاء اللہ دنیا کے سامنے برتری سے محفوظ ایک مثالی نمونہ پیش کرے گی، جو اسلامی تعلیمات سے پوری طرح ہمہ آہنگ ہو گا، اس مثالی نمونہ سے متاثر ہو کر شاید انسانیت حق شناسی کی طرف واپس لوٹے، اور اللہ کی معرفت حاصل کر کے، اپنی فطری صلاحیتوں کو بیدار کرے اور انسانیت کے شایانِ شان کردار کی حامل ہو جائے، اس طرح انسانیت کی سطح پر نفس کے بت کدے کے ٹوٹ پھوٹ کا عمل شروع ہو سکتا ہے۔

اللہ کے طالب کے شب و روز کے احساسات

اللہ کے حقیقی طالب کے پاس اگرچہ اعمال کا خزینہ زیادہ نہیں ہوتا، تاہم وہ فکر مندی، دردمندی، خشیت اور اللہ کے لئے جینے و مرنے کے احساسات سے سرشار ہوتا ہے، وہ اللہ سے ڈرتا رہتا ہے، موت کو اکثر یاد رکھتا ہے، اسے ایک ہی فکر لاحق ہوتی ہے کہ اگر محبوب نے موت کے بعد ناراضگی کا اظہار فرمایا کہ میرے لئے کامل اخلاص پر مبنی دل لے کر نہیں آئے، اس دل میں دنیا کی آلودگی موجود ہے تو پھر میرا کیا بنے گا۔

یہ فکر ایسی ہے، جو طالب کا احاطہ کر لیتی ہے، مخلص طالب اگرچہ محبوب کے لئے مجاہدوں میں کمی نہیں کرتا، لیکن ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس کی صحت زیادہ مجاہدوں کی متحمل نہیں ہوتی، اس کی وجہ سے طالب کی فکر مندی بڑھ جاتی ہے۔

طالب کو ایک بڑی فکر یہ ہوتی ہے کہ شعوری یا غیر شعوری طور پر اس سے جو گناہ سرزد ہوئے، اگر محبوب حقیقی نے ان گناہوں کا حساب لیا تو اس کے لئے تو کوئی جائے پناہ نہیں ہو گی۔

اگرچہ مخلص طالب، اللہ سے بے پناہ توقعات رکھتا ہے، لیکن محبوبِ حقیقی کا شانِ جلال ایسا ہے کہ اس سے جتنا بھی ڈرا جائے کم ہے۔

آخرت میں زندگی بھر کے اعمال کی جواب دہی کی فکر ایسی ہے، جو مخلص طالب کو لرزا دیتی ہے، اس کے شب و روز اسی فکر میں گذرتے ہیں کہ معلوم نہیں، موت کے وقت، موت کے بعد اور آخرت میں اس کے ساتھ کیا معاملہ ہو گا، محبوب کی طرف سے اعراض کا معاملہ ایسا ہے، جو طالب کے سارے افکار پر غالب ہے، وہ اگرچہ موت کا منتظر رہتا ہے، لیکن اس کی

تمنا ہوتی ہے کہ موت میں مزید تاخیر ہو، تاکہ وہ محبوب کے لئے مزید مجاہدے کر سکے اور محبوب سے مزید قرب کے مقامات حاصل کرنے کے لئے اپنی بساط کے مطابق کچھ کر سکے۔

طالب خوف وامید کی درمیان والی حالت میں رہتا ہے، کبھی اس پر خوف کا غلبہ طاری ہوتا ہے کہ معلوم نہیں، آخرت میں محبوب کی طرف سے اپنی رضا کا پروانہ ملے گا بھی یا نہیں، کہیں ایسا تو نہ ہوگا کہ محبوب کہدے کہ میں نہ تجھ سے کلام کروں گا، نہ تیری طرف دیکھوں گا، نہ ہی تیرا تزکیہ کروں گا، اگرچہ قرآن کی یہ آیت کافروں کے بارے میں ہے، لیکن محبوب کا شانِ جلال ایسا ہے اور طالب کا نامہ اعمال اتنا سیاہ اور حقیر ہے کہ وہ اس معاملہ میں لرزاں وترساں رہنے لگتا ہے۔

لیکن خوف کی حالت کے معًا بعد طالب پر جب امید کی حالت طاری ہوتی ہے تو اس کا دل خوشی سے لبریز ہونے لگتا ہے کہ محبوب اپنے بندے کا سب سے زیادہ قدر دان ہے، اس نے طالب کو اپنی محبت کی جو سعادت عطا فرمائی ہے، وہ بجائے خود محبوب کی رضا کی علامت ہے، اس طرح کے طالب کو محبوبِ حقیقی آخرت میں رسوا نہیں کرے گا، بلکہ اس پر انعام واکرام کی بارش فرمائے گا۔ طالب کے شب وروز ان دونوں حالتوں اور کیفیتوں میں گذرتے ہیں۔

اس سلسلے میں حقیقی طالب کی اضطراب کی حالت دیکھکر اندازہ ہوتا ہے کہ شاید اللہ کا عتاب اسی کے لئے خاص ہے، قرآن میں اللہ کی رحمت، اس کی بخشش اور اس کی معافی کی جو بار بار وعیدیں آئی ہے، وہ طالب کے خوف کے پہلو پر امید کے پہلو کو غالب کر دیتی ہیں، لیکن محبوب کے لئے شب وروز کی فکر مندی ایسی ہے، جو طالب کے دل کو اس دنیا کا نہیں، دوسری دنیا کا بنا دیتی ہے، یعنی وہ جسمانی طور پر تو اِس دنیا میں ہوتا ہے، لیکن وجدانی طور پر وہ دوسری دنیا میں رہتا ہے، جو محبوب کے لئے بے پناہ فکر مندی کی دنیا ہوتی ہے، محبوب سے لرزاں وترساں ہونے کی دنیا ہوتی ہے، طالب کو یہ فکر غمگین کر دیتی ہے کہ وہ آخرت میں محبوبِ

حقیقی کا کس طرح سامنے کر سکے گا، جب کہ اس کا دامن خالص محبوب کے لئے اعمال سے خالی ہے، یہ فکر جب طالب کو بہت زیادہ غمگین کر دیتی ہے تو طالب کو قرآن کی وہ ساری آیتیں حوصلہ دلاتی ہیں جن میں فرمایا گیا ہے **انا لننصر رسلنا والذین اٰمنوا فی الحیوٰۃ الدنیا ویوم یقوم الاشھاد** (بے شک ہم ضرور مدد کریں گے اپنے رسولوں کی اور مومنوں کی دنیا کی زندگی میں بھی تو جس دن گواہ کھڑے ہوں گے (یعنی آخرت کے دن) بھی۔

اس طرح کی آیتوں سے طالب کو تسلی ہوتی ہے، یہی تسلی آخرت کے حوالے سے اس کے حوصلے کو قائم رکھتی ہے۔

اگرچہ طالب زندگی میں قدم قدم پر محبوب کی مدد ونصرت کے مظاہر وواقعات دیکھتا اور محسوس کرتا ہے، جس سے اس کے اس یقین میں اضافہ ہونا چاہئے کہ آخرت میں محبوب اس سے شان رحیمی کا معاملہ فرمائے گا، لیکن ڈرتے رہنے کا حکم بھی فرمایا گیا ہے، اس سے نفسی قوتیں پگھلتی رہیں گی اور نفس کو سر اٹھانے کا موقعہ نہیں ملے گا۔

اللہ کے مخلص طالب کی آخرت کے بارے میں فکر مندی ایسی ہوتی ہے، جو اس کی شخصیت کا پوری طرح احاطہ کر لیتی ہے، اس کا اندازہ حضرت ابراہیم ادھم کے واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب انہوں نے بادشاہی چھوڑ کر، خلوت کی زندگی اختیار کی تو وزیر اور مشیر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ کی وجہ سے سب پریشان ہیں، آکر بادشاہی کا منصب سنبھالیں، آپ نے فرمایا کہ مجھے ایک ہی غم کھائے جا رہا ہے، کیا تم اس غم کے مداوے کی صورت پیدا کر سکتے ہو، انہوں نے پوچھا، وہ کیا غم ہے، فرمایا، قرآن میں ہے، **فریق فی الجنۃ وفریق فی السعیر** (ایک گروہ جنت میں ہوگا اور دوسرا گروہ جہنم میں) کیا تم بتا سکتے ہو اور ضمانت دے سکتے ہو کہ میں دوسرے گروہ میں شامل نہ ہوں گا، وزیروں نے جواب میں کہا کہ آپ کی بات نے تو ہمیں خود غم زدہ کر دیا اور ہم پر اپنے بچاؤ کی فکر کو طاری کر دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان جس آزمائش میں مبتلا کیا گیا ہے، وہ بہت بڑی آزمائش ہے، اگر اس آزمائش سے بچاؤ کی فکر غالب آجائے تو اس فکر کے مقابلہ میں سارے افکار اور ساری پریشانیاں کافور ہو جائیں، حضرت حسن بصری کے بارے میں آتا ہے کہ وہ جہنم کا ذکر اس طرح کرتے تھے، گویا جہنم انہی کے لئے بنی ہے۔

اللہ کے طالب کو ان اکابر بزرگوں کے خشیت کے اجزاء میں سے کچھ اجزا ملے ہیں، وہ بظاہر تو دنیا کے سارے کام سرانجام دیتا ہے، لیکن اس کا دل اللہ کے شانِ عظمت وشانِ جلال سے کانپ رہا ہوتا ہے، وہ اس اندیشہ سے لرز اٹھتا ہے کہ معلوم نہیں، موت کے بعد اور آخرت میں اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا، چونکہ اس کی کوئی ضمانت نہیں ہے، اس لئے اس حوالے سے ان کی بے چینی وبے قراری بڑھتی جاتی ہے، **ربنا صرف عنا عذاب جھنم ان عذابھا کان غراما۔** (اہل اللہ کو اللہ کی خشیت اور آخرت میں پیش آنے والے حالات کے بارے میں غیر معمولی فکر مندی موجود ہوتی ہے) یہ دراصل ان کے پختہ یقین بلکہ ایک اعتبار سے مشاہدے کی بنا پر ہوتی ہے، قرآن میں آخرت کی زندگی کے جو حالات بیان کئے گئے ہیں، ان کا دل ایک اعتبار سے گویا ان سارے حالات کا مشاہدہ کر رہا ہوتا ہے، اس کی وجہ سے وہ اللہ سے سب سے زیادہ خائف رہتا ہے، اور اپنے بارے میں زیادہ متفکر بھی۔ ہم جیسے افراد چونکہ یقین کی کیفیت سے محروم ہیں، اس لئے ہم آخرت کی زندگی سے گویا ناآشنا ہیں اور اس کی حقیقی فکر مندی سے محروم ہیں، ہماری طرف سے دنیا میں بہت زیادہ غلطاں ہونے اور دنیا کی محبت سے سرشاری کا بنیادی سبب بھی یہی ہے کہ آخرت کی زندگی کے بارے میں ہمارا یقین متزلزل ہے۔

یقین بننے کے لئے مجاہدوں اور صحبت کی ضرورت ہے، بدقسمتی سے ذکر وفکر کے مجاہدوں اور صحبت اہل اللہ کے لئے ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔

انسانیت کی فکر کا دامنگیر ہونا

اسلام، جس پر انسانیت کی دائمی زندگی کے فوز وفلاح اور خسارہ کا دارومدار ہے، وہ مسلمانوں کے پاس ہے اور مسلمانوں پر یہ فریضہ عائد کیا گیا ہے کہ وہ اس پر خود بھی عملی پیرا ہوں تو انسانیت کو بھی اسلام سے آشنا کریں اور ان تک عقیدہ توحید کی دعوت پہنچائیں، تاکہ انسانیت کے لئے آخرت کی ابدی زندگی کی سزا سے بچاؤ کی صورت پیدا ہو سکے، اللہ کے مخلص طالب کو یہ فکر رہتی ہے کہ وہ اس سلسلے میں کردار ادا کرے، لیکن یہ اتنا بڑا کام ہے کہ ایک فرد کے بس کی بات نہیں ہے، یہ امت کے دردمند طبقات کے کرنے کا کام ہے۔

اللہ کے طالب کو فکر دامنگیر ہوتی ہے کہ انسانیت کی اکثریت الحاد دہریت یا شرک میں مبتلا ہونے اور توحید کے عقیدے سے محرومی کی وجہ سے جہنم کا ایندھن بنے گی، یہ انسانیت کا سب سے المیہ ہے، ایسا راستہ ضرور نکلنا چاہئے، جس کے ذریعہ انسانیت تک عقیدہ توحید اور عقیدہ رسالت کی دعوت پہنچنے کی صورت پیدا ہو، لیکن اس دور میں انسانیت کا مادیت پرستی، جنسی آوارگی اور مادی حسن سے محبت کا مزاج اتنا پختہ بن چکا ہے کہ وہ اس سے ہٹ کر پاکیزہ عقائد کی طرف آنے کے لئے ہی تیار نہیں ہے، لیکن ان المناک حالات کے باوجود انسانیت تک توحید، رسالت اور عقیدہ آخرت کی دعوت پہنچانا تو ہر صورت میں ضروری ہے، تاکہ اتمام حجت کی کم سے کم صورت پیدا ہو سکے، اس سلسلہ میں انگریزی زبان میں لٹریچر کی سخت ضرورت ہے، ایسا لٹریچر، جس میں جدید علمی اسلوب اور استدلال کو پیش نظر رکھکر توحید کی دعوت ہو، اس کے ساتھ ساتھ سوشل میڈیا پر کچھ باصلاحیت افراد فارغ کئے جائیں، جو اس دعوت کے سلسلے کو مؤثر طور پر کام جاری رکھیں، یہ کام ایسا ہے جو مسلمان کی حیثیت سے ہم سب کا بالخصوص اہل علم کا فریضہ ہے، اس کام کو اہمیت نہ دینے کا نتیجہ ہے کہ پچھلے دو ڈھائی سو سال سے مادہ پرست قومیں اپنی عسکری قوت سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑی ہیں اور اپنی ناپاکیزہ بلکہ مادر پدر آزاد تہذیب کو مسلمانوں پر مسلط کرنے کے لئے کوشاں رہی ہیں، اور مسلمانوں کا قابل ذکر حصہ بھی ان کا فکری غلام بن چکا ہے، اور ان کی مادہ پرست تہذیب کا اسیر ہو چکا ہے، کاش، اس سلسلے میں مسلمان حکومتیں توجہ دیں۔ اور غیر مسلموں میں دعوت کے فروغ کے نام سے ایک ادارہ قائم کریں، جس ادارے کا کام ہی یہی ہو کہ غیر مسلموں کے سامنے اسلام کی دعوت پہنچانے کے سلسلے میں حکمت عملی تشکیل دے۔

یہ ادارہ رسمی نوعیت کا نہ ہو، بلکہ اس میں دردمند صاحبان علم کو شامل کرکے، ان کے حوالے یہ کام کیا جائے، اس سلسلے میں پاکستان اور ترکی کی حکومت مل کر بہتر حکمت عملی تشکیل دے سکتی ہیں۔

تبلیغی جماعت کی اس بات میں بڑا وزن ہے کہ غیر مسلموں میں دعوت کی بات چلانے کے لئے پہلے مسلمانوں کو صحیح معنٰی میں مسلمان بنانا پڑے گا، بالخصوص مغربی ممالک میں مسلمانوں کو اسلام کا زندہ نمونہ بنانے اور اسلامی کردار کا صاحب بنانے کے لئے خصوصی کوششوں کی ضرورت ہے، تاکہ غیر مسلم ان کے کردار کی خوشبو کو محسوس کرکے اسلام کے قریب آئیں۔

بالخصوص مغربی انسان کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان پر اگر ایک بار حق کی صداقت واضح ہوگئی تو وہ ساری مخالفتوں کو برداشت کرکے بھی اسلام کو اختیار کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، اہل مغرب کی اس مزاجی خصوصیت سے استفادہ کرتے ہوئے مغرب میں اسلامی دعوت کے لئے ہمیں سارے ذرائع اختیار کرنے کی کوشش کرنی ہوگی۔

انسانیت کی عقیدہ توحید ورسالت سے محرومی کی وجہ سے دائمی طور پر آگ کا ایندھن بننا کوئی معمولی بات نہیں ہے، یہ اتنا بڑا حادثہ ہے کہ اس سے بڑھکر کوئی حادثہ ہو نہیں سکتا۔

اگر اس سلسلے میں مسلمانوں میں حقیقی دردمندی اور فکرمندی موجود ہو تو غیر مسلموں میں اسلامی دعوت کے لئے راستہ نکل سکتا ہے، اگرچہ اسلام پر عمل پیرا ہونے کے سلسلہ میں مسلمانوں کی اپنی حالت قابل رحم ہے، ان کے سارے مؤثر طبقات کی بڑی تعداد مادیت اور مادی طرز زندگی کو نصب العین بنا چکی ہے، بہر حال ان حالات میں مسلم دنیا اور مغرب میں رہنے والے مسلمانوں پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

غیر مسلموں کی ابدی زندگی کے خسارہ کی حالت زار پر رحم کھاتے ہوئے دردمند مسلمان اس سلسلے میں جو بھی کردار ادا کریں، وہ کم ہے۔

انسانیت کا سب سے بڑا المیہ

دولت کی چھینا جھپٹی پر تصادم اور لڑائیاں

(سراپا عبرت)

انسان کی پیدائش کا مقصد تو اللہ کی عبادت ہے، روزی کے حصول کے لئے اتنی جدوجہد ضروری ہے، جس کے ذریعہ عبادت کے لئے توانائی پیدا ہو سکے، لیکن انسان کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ وہ دنیا کی ہڈیوں کی چھینا جھپٹی میں ایک دوسرے سے حالت تصادم میں رہ کر، پوری زندگی گذار لیتا ہے۔

جب فرد عبادت کی حلاوت سے آشنا نہیں ہوتا تو پھر اس کی حالت یہی ہوتی ہے کہ دولت کو سکون اور طمانیت کا ذریعہ سمجھکر، اس کے حصول کو زندگی کا مقصود بنالیتا ہے، اس کی زندگی کے سارے نقوش اسی کی خاطر طے ہوتے ہیں، عام طور پر ہر انسان کی چاہت ہوتی ہے کہ اس کے پاس قارون کا خزانہ آجائے۔

یہ انسان کی سب سے بڑی ناعاقبت اندیشی ہے کہ وہ دولت کی حرص وہوس میں مبتلا ہو کر، ابدی زندگی کو بھول جاتا ہے، دنیا میں ہونے والی لڑائیاں، وہ چاہے قوموں کی سطح پر ہوں یا افراد کی سطح پر، ان سب کی تہہ میں کارفرما اصل سبب دولت کا حصول ہی ہوتا ہے، حالانکہ انسان کی ضروریات محدود اس کی کھانے پہننے کی صلاحیت محدود، اس کی زندگی اور عمر محدود، لیکن وہ عملی طور پر ہزارہا برس کا سامان جمع کرنے کے لئے کوشاں ہے، یہ کسی ایک انسان کی کہانی نہیں ہے، بلکہ انسانوں کی بہت بڑی اکثریت کی کہانی یہی ہے۔

روزنامہ جنگ کے جاپان کے مستقل مضمون نگار نے کچھ وقت پہلے اپنے ایک دوست کا واقعہ لکھا تھا کہ ان کا پاکستان میں انتہائی غریب خاندان سے تعلق تھا، یہاں آنے کے بعد کاروبار میں خوب ترقی ہوئی۔ وہ ارب پتی ہوگئے، میں نے حساب لگایا تو ان پر سالانہ دس کروڑ روپے زکوٰۃ کی رقم واجب الادا تھی، میں نے دوچار بار توجہ دلائی تو وہ سخت نالاں ہوئے اور تعلقات متاثر رہے، اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ دوچار سال میں ہی وہ بیمار ہو کر اسپتال میں داخل

ہوئے، اسپتال میں وہ پندرہ بیس دن رہے، مجھے ان کے ایک قریبی عزیز نے فون کر کے بلایا کہ اپنے دوست سے آخری ملاقات کر لیں، میں اسپتال گیا تو وہ مجھے پہچان نہ سکے، میں باہر آیا تو ان کے عزیز ڈاکٹر صاحب سے کہہ رہے تھے کہ ان کو موت کا انجیکشن لگا دیں، تاکہ ان کا قصہ جلد پورا ہو، یہ بھی لکھا تھا کہ ان کی اولاد نہیں تھی، ان کی موت کے بعد ان کی ساری دولت ان کے دو چار عزیزوں کے ہاتھ آئی۔

دولت سے محبت کا یہ وہ حشر ہے، جو وہ افراد کے ساتھ کرتی ہے کہ عزیز اس کی موت کی تمنا کرتے ہیں، موت کے بعد دولت پرستی کی سزا فرد کو خود تن تنہا بھگتنی پڑتی ہے۔

دولت کی حقیقت کو اہل اللہ نے اچھی طرح سمجھا ہے کہ ایک اہل اللہ کا قول ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ فرمائے کہ میں تجھے ساری دنیا جتنی دولت دیتا ہوں اور اس کا حساب بھی نہیں لوں گا تو میں یہ عرض کروں گا کہ مجھے دولت نہیں چاہئے، اس لئے کہ اس کی وجہ سے دل اور ذہن کی (اللہ کی طرف) یکسوئی متاثر ہوتی ہے۔

انسان کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو مختصر عرصے کو چھوڑ کر ساری انسانی تاریخ دولت کی ہڈیوں پر ایک دوسرے سے تصادم اور لڑائی میں صرف ہوتی ہوئی نظر آرہی ہے۔

آج بھی ساری دنیا میں کشمکش، تصادم اور فساد دولت کی وجہ سے ہے، مشہور ماہر نفسیات کارلائل نے دولت کے بارے میں لکھا ہے کہ اگر ایک موچی کو آدھی دنیا کا خزانہ دیا جائے تو وہ اس پر مطمئن نہ ہوگا، بلکہ وہ باقی زندگی دوسروں سے آدھا خزانہ چھیننے میں صرف کرے گا، ان سے جنگ لڑ کر بھی وہ اپنا یہ ہدف حاصل کرنے کے لئے کوشاں رہے گا۔

قرآن انسان کی دولت سے محبت کی روش اور اس کے عبرتناک حشر سے بھرا ہوا ہے، قرآن مسلسل انتباہ دیتا ہے کہ دنیا میں منہمک ہو کر، زندگی کے اصل مقصد عبادت واطاعت کو فراموش نہ کرو، ورنہ دوزخ کا ایندھن بنو گے، اس سلسلہ میں قرآن کی سینکڑوں آیتیں ہمیں انتباہ دیتی ہیں، لیکن دولت پرستی کا نشہ اتنا تیز ہے کہ ہمیں ہوش ہی نہیں، ہم دنیا کی عارضی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھکر اپنی ساری صلاحیتیں اور قوتیں اسی میں صرف کر رہے ہیں۔

یہاں ایک عبرت انگیز واقعہ پیش کیا جاتا ہے، یہ واقعہ بھی روزنامہ جنگ کے ایک مضمون نگار نے کافی وقت پہلے اپنے ایک مضمون میں لکھا تھا۔

پاکستان سے پہلے کی بات ہے کہ ہندوستان کے کسی قصبے میں ایک نواب صاحب کو اولاد نہیں تھی، وہ بیمار ہوگئے، ان کا دنیا سے رخصت ہونے کا وقت بالکل قریب آگیا، اس نے اعلان کیا کہ جو شخص میرے مرنے کے بعد میرے ساتھ ۱۲ گھنٹے قبر میں رہے گا، میں اپنی ساری جائداد اس کو دیدوں گا، اور اس کے نام لکھ دوں گا، اور تو کسی کو ہمت نہیں ہوئی، لیکن ایک موچی (جس کی آمدنی نہایت قلیل تھی) اس نے کہا کہ میں ساتھ رہوں گا، لوگوں نے نواب صاحب کی میت کے ساتھ ان کو بھی قبر میں سلایا، اور ہوا کے لئے قبر میں سوراخ کر دیا۔ ۱۲ گھنٹے کے دوران لوگوں کا ہجوم جمع ہوگیا اور قبر کو کھولا گیا، موچی صاحب کو باہر نکالا گیا، لوگوں نے اسے مبارک باد دینا شروع کی کہ اتنی بڑی رقم تمہیں حاصل ہوگئی، اس موچی نے کہا کہ مجھے یہ دولت نہیں چاہئے، میں روزانہ ایک دو روپے جو کماتا ہوں، میرے لئے اس کا حساب دینا ہی مشکل ہے تو اتنی بڑی دولت کا میں حساب کیسے دے سکوں گا۔

اس دور کے ایک صاحب دل شخصیت نے ایک ممتاز اہل اللہ سے متعدد ملاقاتیں کیں، اس کے بعد ان کا تاثر یہ تھا کہ ان پر دنیا کی حقیقت اس قدر منکشف ہوگئی ہے، گویا وہ صدیوں تک قبر میں رہ کر آیا ہے، یعنی دنیا میں رہتے ہوئے دنیا سے اتنی بے نیازی کہ گویا دنیا سے کوئی تعلق ہی نہیں اور سامان دنیا کی طرف کوئی التفات ہی نہیں۔

دنیا سے آخری حد تک بے نیازی کی روش، یہ حقیقی اہل اللہ ہی کا خاصہ ہے، ان کی مسلسل صحبت کے نتیجہ میں طالب میں بھی دنیا سے بے نیازی کی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔

دنیا سے بے نیازی کی صورت کا ایک طریقہ تو کثرت ذکر کا نور ہے، جس سے دل میں دنیا کی اہمیت باقی نہیں رہتی، لیکن اس کے لئے طویل عرصہ تک ذکر کے مجاہدوں سے کام لینا پڑتا ہے، اس کی دوسری صورت موت کا استحضار اور اس کا دھیان ہے، جسے تصوف کی اصطلاح میں مراقبہ موت بھی کہتے ہیں، مراقبہ موت سے آخرت کا منظر اس طرح سامنے آتا ہے، گویا آخرت کل کا نہیں، آج کا مسئلہ ہے اور آخرت میں اللہ کے سامنے سارے اعمال کی جواب دہی

کے احساس سے طالب کانپنے لگتا ہے اور لرزاں و ترساں رہتا ہے، دنیا جس نے اربہا انسانوں کو نگل لیا اور اپنا شکار بنا کر، ان کی آخرت کی زندگی کو تاریک بنایا، اس دنیا کی چکا چوند سے بچے بغیر نجات کی امید رکھنا بے جا ہے، موت کی تیاری کا جتنا بھی انتظام ہو سکتا ہے، کرنا چاہئے، یہی اصل دانشمندی ہے، دنیا اور مادی زندگی کو اصل ہدف بنانا یا اس سے بے اعتنائی برتنا اس سے بڑھ کر نادانی اور کوئی ہو نہیں ہو سکتی، قرآن میں ایک جگہ ہے جہنم گھات میں ہے، دوسری جگہ ہے، بے شک تمہارا رب گھات میں ہے۔

قرآن کی اس طرح کی بہت ساری آیات ہیں، جو لرزا دینے والی ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ دنیا و آخرت کی مثال سوکنوں کی سی ہے، ایک کو خوش کیا جائے گا تو دوسری روٹھ جائے گی، دنیا کی مادی خوشحالی کی زندگی آخرت کے خسارہ کی قیمت پر ہی ہو سکتی ہے، بیک وقت دونوں زندگیوں کی کامیابی کہ دنیا کی ہر نعمت بھی حاصل ہو تو آخرت کی نعمتیں بھی، ایسا نہیں ہو سکتا۔

زندگی دو بار نہیں ملتی، ایک بار ملتی ہے، ایک بار ملنے والی زندگی کو مادی خوشحالی سے ہمکنار کرنے میں خرچ کرنا، سب سے زیادہ خسارہ کا سودہ ہے۔ اگر زندگی دوبارہ ملتی تو پھر بھی موقعہ حاصل ہوتا کہ جہنم کی کچھ سزا بھگتنے کے بعد دنیا میں دوبارہ آکر آخرت کی تیاری میں زندگی صرف کرتے، لیکن موت کے بعد تو پھر آخرت کی زندگی کا عمل شروع ہونے والا ہے، آخرت کی زندگی ابدی ہوگی اور ایک بار کی زندگی کے اعمال کی بنیاد پر اس ابدی زندگی کا فیصلہ ہوگا، جنت یا جہنم، اگرچہ ایمان کی وجہ سے جہنم سے خلاصی کی صورت پیدا ہوگی، لیکن یہ بجائے خود اتنی بڑی سزا ہے کہ فرد کے ہوش و حواس ٹھکانہ میں نہیں رہیں گے۔

اللہ کے مخلص طالب کے ساتھ اللہ کا فضل خاص شامل ہوتا ہے کہ اسے ہمہ وقت آخرت کی تیاری کی فکر لاحق ہوتی ہے، وہ دنیاوی زندگی کو مادی خوشحالی کے مقصد کی خاطر اختیار نہیں کرتا۔

تصوف کی جعلی و حقیقی صورت اور گھروں کو فتنہ و فساد سے بچانے کی صورت

اللہ کی محبت و معرفت ایسی چیز ہے، جس میں چلے بغیر راہ نہیں کھلتی، حقائق منکشف نہیں ہوتے، دنیا کی محبت دل سے نہیں نکلتی، حرص و ہوس اور حسد و جلن کی نفسیات سے بچاؤ کی صورت پیدا نہیں ہوتی، خشیت پیدا نہیں ہوتی، سلیقہ انسانیت اور آداب انسانیت سے بہرہ وری نہیں ہوتی، نفسی قوتوں کے برپا کردہ فساد کی طوفانی لہروں سے حفاظت کی صورت پیدا نہیں ہوتی۔ اللہ کی معرفت علم کی وہ سطح ہے، جو فرد کو قیل و قال سے زیادہ عمل کا غازی بناتی ہے، اسے درویش منش بناتی ہے دنیا میں رہتے ہوئے اسے دوسری دنیا کا انسان بناتی ہے۔

یہ علم کی وہ اعلیٰ سطح ہے، جس کے حصول کے لئے زندگی کا طویل عرصہ صرف کرنا پڑتا ہے، علم کی یہ سطح اللہ سے فرد کے تعلق کو مستحکم کرتی ہے، فرد کو داخلی بتوں کے سامنے سجدہ زیر ہونے سے بچاتی ہے، فرد میں تقویٰ کی صلاحیت پیدا کرتی ہے، اسے اپنی ذات سے افراد معاشرہ کو اذیت پہنچانے سے بچاتی ہے۔

اللہ کی محبت و معرفت کے مقامات طے کرنے کے لئے بزرگ کے خاندانی وراثتی سلسلے سے وابستہ ہونا کافی نہیں ہے، یعنی یہ وراثتی سلسلہ نہیں ہے کہ بزرگ کی اولاد کو از خود بزرگی حاصل ہو جائے، محبت و معرفت کے یہ مقامات علم اور عقل سے بھی طے نہیں ہوتے، بلکہ اس کے لئے ذکر و فکر کے غیر معمولی مجاہدوں کی ضرورت لاحق ہوتی ہے، مجاہدوں کے بغیر

نفس کی وسیع دنیا سے آشنائی نہیں ہوتی اور باطن کی دنیا آشکار نہیں ہوتی، اور نفس کے حجابات باقی رہتے ہیں، نفس کے حجابات کی موجودگی میں علم نافع کی دولت حاصل نہیں ہوتی۔

موجودہ دور میں عام طور پر بزرگی کا منصب یا تو خاندانی اور نسلی وراثت کے طور پر ملتا ہے، یا پھر سطحی قسم کے مجاہدوں سے خلافت عطا کی جاتی ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ امت کا یہ عظیم روحانی سلسلہ بڑی حد تک اپنی افادیت کھو چکا ہے، اس پر اعتماد بڑی حد تک ختم ہو چکا ہے، اس لئے کہ بزرگی اور روحانیت کے نام پر سرمایہ دارانہ طرز زندگی کو سرمایۂ افتخار سمجھا جارہا ہے اور بزرگی کے نام پر مالدار سے مالدار تر بننے کی روش عام ہے۔ جب کہ حقیقی بزرگوں کی امتیازی شان ہی فقر محمدی اور سادہ طرز معاشرت اور دنیا سے بے نیازانہ روش رہی ہے۔

ذکر و فکر کے غیر معمولی مجاہدوں کے بغیر چونکہ دل سے دنیا کی محبت نہیں نکلتی، وہ دل کی گہرائیوں میں موجود رہتی ہے، اس لئے بزرگی کے منصب پر فائز فرد دنیا کی چمک دمک سے متاثر ہوتا ہے اور مالداری اور دولتمندی کے بغیر وہ رہ ہی نہیں سکتا۔

جدید افراد، جدید نوعیت کے بزرگوں کی ان مالدارانہ اداؤں اور مالدارانہ روش کو دیکھکر سرے سے تصوف، اہل تصوف، خانقاہی سسٹم اور اہل اللہ سے نہ صرف دور ہو رہے ہیں، بلکہ اس سے متنفر ہو رہے ہیں، وہ اس جعلی تصوف کو حقیقی تصوف سمجھنے کی غلط فہمی کا شکار ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی محبت فرد کے دل سے نہیں نکل سکتی، جب تک طالب ذکر و فکر کے غیر معمولی مجاہدوں اور حقیقی اہل اللہ کے طویل عرصہ کے نورانی ماحول سے نفس کو مزکی بنانے اور نفسی قوتوں کو پامال کر کے فنائیت کے مقام تک نہیں پہنچاتا، فنا سے جب وہ حالت بقا میں آتا ہے، تو اس کا نفس مہذب ہو جاتا ہے، دنیا سے اس کی رغبت باقی نہیں رہتی، سادہ طرز زندگی اس کا وظیفہ بن جاتا ہے، اب دولت اس کے پاس آتی بھی ہے تو وہ اسے ذاتی مقاصد اور اپنے معیار زندگی کو بلند کرنے کی بجائے اسے دعوتی کاموں میں صرف کرتا ہے۔

الغرض یہ کہ مجاہدوں کے بغیر یہ راہ نہیں کھلتی اور نفس کی دنیا میں حقیقی تغیر برپا نہیں ہوتا، بزرگی کے نام پر جہاں بھی سرمایہ دارانہ زندگی کے مظاہر عام ہوں گے، وہاں یہی سمجھا جائے گا کہ بزرگی تو موجود ہے، لیکن اللہ سے والہانہ محبت کے مراحل طے نہیں ہوئے اور نفس کی قوت پامال نہیں ہوئی۔

حقیقی بزرگ دنیاوی زندگی کو ترجیح دینے اور دنیاداروں کی طرح دنیاوی شان و شوکت کا دلدادہ ہرگز نہیں ہوتا، بلکہ وہ اس طرح کی زندگی کا تصور ہی نہیں کر سکتا، اگر جدید افراد اس نکتہ تو پیش نظر رکھیں تو حقیقی اہل اللہ کے بارے میں غلط فہمی دور ہو سکتی ہے، حقیقی اہل اللہ اب بھی معاشرے میں موجود ہیں، جو روشن چراغ کی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن ان تک پہنچنے اور ان کے فیض سے بہرہ وری کے لئے حقیقی طلب کا ہونا ناگزیر ہے، حقیقی طلب کے بغیر ان تک رسائی حاصل نہیں ہو سکتی، حقیقی اہل اللہ کی صحبت سے تزکیہ ہوتا ہے اور نفس کی ساری خرابیوں سے نجات کی صورت پیدا ہوتی ہے، حقیقی اہل اللہ کی صحبت سے دل کا محبوب کی طرف سفر کا عمل تیزی سے شروع ہو جاتا ہے، نیز اس سے زندگی کا ہر پہلو مثبت بنیادوں پر تبدیل ہونا شروع ہو جاتا ہے، باطنی بیماریوں کی اصلاح کے ساتھ شریعت کی ظاہری تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی صلاحیت بھی پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

اس نکتہ کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ نفس کو کسی حد تک سنوارے بغیر فرد میں فساد برپا کرنے کی غیر معمولی طاقت موجود ہوتی ہے، موجودہ دور میں بڑھتی ہوئی مادی ضروریات اور مہنگائی نے جو صورت اختیار کی ہے، اس کی وجہ سے خطرہ ہے کہ ہر گھر فتنہ فساد اور جھگڑے کا مرکز بن سکتا ہے، اخبارات میں آئے دن مردوں اور عورتوں کی خودکشی اور قتل کے واقعات پورے تواتر سے شایع ہو رہے ہیں، یہ بہت المناک صورتحال ہے، یہ قوم کی تباہی کا منظر ہے، جسے دیکھکر دردمند افراد خون کے آنسو بہانے لگتے ہیں، فتنہ وفساد اور جھگڑے کا مرکز نفس ہی ہے، جو قابو میں نہیں رہتا، اس صورتحال سے بچاؤ کی واحد صورت یہ ہے کہ کسی صاحب دل شخصیت یعنی اہل اللہ سے تعلق قائم ہو، تاکہ نفس کی حیوانی و جبلی قوتوں اور اس کی لڑنے جھگڑنے اور اس کے انانیت کے بت کی پرستش سے بچاؤ کی کسی حد تک صورت پیدا ہو سکے۔

علم ہے ابن الکتاب
عشق ہے ام الکتاب

اللہ کا طالب زندگی میں حسن اور معنویت پیدا کرنے کے لئے حرارت، گرمی اور آتش عشق کو سب سے زیادہ ضروری سمجھتا ہے، اس کے بغیر اس کی زندگی بے معنیٰ ہو جاتی ہے، عشق کے بغیر وہ خوشگوار زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا، اس کی ساری زندگی عشق سے وابستہ ہوتی ہے، عشق جب اس کی شخصیت کا احاطہ کر لیتا ہے تو وہ معنوی علم سے مالا مال ہو جاتا ہے، اور وہ دوسروں میں گرمی و حرارت اور زندگی کی رَو پیدا کرنے کا ذریعہ بنتا ہے، اقبال نے عشق کی اہمت بیان کرتے ہوئے کہا تھا۔

''علم ہے ابن الکتاب عشق ہے ام الکتاب'' دنیا میں محبوب حقیقی سے عشق سے بڑھکر کوئی سرمایہ حیات نہیں ہے، اور عشق سے محرومی سے بڑھکر کوئی عتاب و سزا نہیں ہے، انسان جب تک حیات ہے، اس کا عشق کا سفر جاری رہتا ہے، عشق اس کی زبان، اس کی تحریر اور اس کی شخصیت میں وہ کشش اور تاثیر پیدا کرتا ہے کہ اس سے مردہ دلیں زندہ ہونے لگتی ہیں، بڑی سی بڑی صاحب علم شخصیت جو محبوب کے لئے حقیقی اعمال کی صلاحیت سے محروم ہے، وہ صاحب عشق شخصیت سے محبت کا تعلق قائم کر لیتی ہے تو اس کی شخصیت میں ہلچل، تحرک، گرمی و حرارت اور محبوب کے لئے ذوق و شوق پیدا ہونے لگتا ہے۔

عشق ام الکتاب اس لئے ہے کہ اللہ کا طالب جب محبوب کے عشق میں فنا ہو جاتا ہے اور اپنی شخصیت کو آتش عشق میں جلا دیتا ہے تو اسے محبوب کی طرف سے ایک نیا علم عطا کیا جاتا ہے، جس سے اس پر زندگی کی حقیقت منکشف ہونے لگتی ہے اور وہ دنیا کی رونق کے سامان کو دھوکہ اور فریب سمجھنے لگتا ہے، اگرچہ اسے پہلے سے یہ علم ہوتا ہے کہ دنیا کی زیب و زینت کا سامان فریب کے سوا کچھ نہیں، لیکن عشق کو اپنی شخصیت پر غالب کرنے سے پہلے اسے اس کا

نظری علم تو تھا، لیکن اس کا دل دنیا میں گرفتار تھا، وہ اس سلسلے میں یقین اور مشاہدہ کی حالت سے محروم تھا، عشق نے اس کی باطنی بصیرت اتنی بڑھا دی ہے کہ اب وہ حقیقتہ دنیا کو دھوکہ کی دیدار سمجھنے لگتا ہے اور چونکہ اب وہ اپنا دل محبوبِ حقیقی کو دے چکا ہے، اس لئے اب یہ دل دنیا کی خوبصورتی اور اس کے جال میں پھنسنے کے لئے تیار نہیں۔

دنیا کی رونق، اس کی خوبصورتی اور اس کی چکا چوند نے ہر دور کے انسان کو دنیا پر فریفتہ کر کے، اسے محبوب سے دور کر دیا ہے، اس طرح اگر انسانوں کی ساری تاریخ کو دنیا کے مجنون انسانوں سے عبارت کیا جائے تو غلط نہ ہوگا، البتہ اس سے اللہ کے وہ خوش نصیب انسان مستثنا ہیں جو اللہ کے عشق سے سرشار رہے ہیں اور سرشار ہیں۔

عشق ایسی چیز ہے، جس میں جذب و کشش کی صلاحیت موجود ہے، جو اللہ کے طالب کو دنیا اور اہل دنیا سے دور کر کے، اللہ کے قریب کر دیتی ہے اور اللہ کے لئے جینے اور اللہ کے لئے مرنے کے سلیقہ سے آشنا کرتی ہے، عشق اپنے ساتھ سیرت و کردار کی پاکیزگی اور بلندی بھی لاتا ہے، عشق اپنے ہمراہ انسانیت کی حقیقی فکر مندی و درد مندی بھی لاتا ہے کہ کسی طرح انسانیت کو محبوب کے عشق کی طرف بلایا جائے، تاکہ وہ دنیا و آخرت دونوں جہانوں کی تپش سے محفوظ ہو سکے۔

انسانیت کا یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ وہ دنیا کی شدید تپش میں مبتلا ہونے کے باوجود عشق کے صاحبوں سے عشق کے اجزاء لینے کے لئے تیار نہیں، یعنی دنیا و آخرت کی بے قراری کے انگارے برداشت ہیں، جب کہ عشق کی دولت سے فیضیابی منظور نہیں، اللہ کا طالب انسان کی اس حالت زار پر خون کے آنسو بہانے پر مجبور ہوتا ہے۔

اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ عشق سے محرومی ایسی چیز ہے، جس سے انسانیت جتنے بھی بحرانوں سے دوچار ہو کم ہے، دولت کی ہڈیوں کی چھینا جھپٹی کے لئے انسانوں کی پامالی کی روش کا ہونا، مادی حسن اور جنسی آوارگی کی آخری حدود تک پہنچنا، عورت کے حسن اور اس کی

عریانی کو دنیا کی سب سے بڑی انڈسٹری کی صورت دے کر، عورت جیسی کمزور اور نحیف ہستی کو بے شمار ذہنی ونفسیاتی مسائل کا شکار بنانا، مفادات کی خاطر قوموں کے درمیان جنگ وجدال برپا کرتے رہنا یا اس کی فضا پیدا کرنا، غرض کہ اس طرح کے سارے بحران عشق سے محرومی ہی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

اقبال نے ایک جگہ کہا ہے کہ عشق وہ امام ہے کہ جب وہ آتا ہے تو جھوٹ کا شاہکار عقل (جو نفسی خواہشات کا مرکز ہوتا ہے) وہ راہ فرار اختیار کرنے لگتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آتش عشق کی بھٹی سے گزرنے والی شخصیت ہی اس قابل ہوتی ہے کہ اس کی صحبت اختیار کر کے، انسانیت فساد کے اصل داخلی مرکز سے بچ سکے، اس لئے کہ عشق، افراد میں بے غرضی وبے نفسی پیدا کرتا ہے اور وہ شخصیت کو ہر طرح کے مفادات سے بلند کر دیتا ہے، انسانیت، اللہ کے عشق حقیقی سے معطر ہو کر نفسی، شیطانی اور جبلی وسفلی قوتوں کے پیدا کردہ فساد سے بچ سکتی ہے، حقیقی عشق کے جتنے بھی گن گائے جائیں کم ہیں، اس لئے کہ انسانیت کو حقیقی انسان بنانے میں عشق ہی کردار ادا کرتا ہے۔

صاحب دل شخصیت چونکہ عشق سے سرشار ہوتی ہے، اس لئے اس کی صحبت، اس کی تحریر وتقریر سے عشق کے طلبگار افراد کے دلوں میں اس کے اثرات منتقل ہوتے ہیں، ایسے لوگوں کے لئے ان کی صحبت تو ان کی زندگی کے رخ کو بدل دینے کا ذریعہ ثابت ہوتی ہے۔

نفس کی سب سے بڑی ''ادا''

معاصر شخصیتوں سے جلن کی نفسیات کا ہونا

اللہ کے طالب کو ایک بڑی شکایت یہ ہوتی ہے کہ اس کا نفس اپنی ہم عصر شخصیتوں کی دل سے قدر کرنے، ان کی تعریف کرنے یا ان کی تعریف سننے اور معاشرے میں ان کو آگے بڑھتے ہوئے دیکھنے کا روادار نہیں ہوتا، مجاہدوں کی بھٹی سے گذرنے کے بعد کہیں جا کر نفس میں یہ تغیر پیدا ہوتا ہے کہ وہ معاصر شخصیتوں کو برداشت کرنے اور ان کی خوبیوں پر ان کو داد

دینے پر آمادہ ہو جاتا ہے، لیکن اس سلسلے میں عرصہ تک طالب کو نفس کے جو تجربات ومشاہدات ہوئے، وہ ایسے سخت تجربات ہیں، جس سے نفس کی کارستانی معلوم ہوتی ہے کہ وہ اپنی شخصیت کے ہوتے ہوئے دوسروں کی بزرگی، ان بڑائی اور ان کی خوبیوں وکمالات کو نہ صرف تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھا، بلکہ ان کی تعریف سنتے ہی دل میں حسد اور جلن کی حالت پیدا ہو جاتی رہی ہے۔

اس سلسلے میں طالب کا نفس اتنا حساس رہا ہے کہ معاصر شخصیتوں کی تعریف سن کر اس کا دل مغموم ہوتا رہا ہے کہ میرے ہوتے ہوئے دوسروں کی تعریف ہو رہی ہے، یہ دراصل خودسری اور جذبہ انانیت ہوتی ہے، جو طالب کے نفس کو دورانِ مجاہدہ اس طرح کے خیالات اور وسوسوں کے ذریعہ اپنی شخصیت کی بڑائی اور دوسروں کی تحقیر پر اکساتا رہا ہے، جوں جوں طالب نفسی قوتوں کو آتش عشق کی بھٹی سے گذار کر آگے بڑھتا ہے، اسی حساب سے نفس کی انانیت اور بڑائی کے داعیہ میں کمی آتی رہتی ہے، لیکن نفسی قوتوں کے ان حیرت انگیز تجربات سے گزرتے وقت طالب کانپ جاتا ہے کہ کیا نفس کی طرف سے اپنی شخصیت کی بڑائی کے بارے میں مکر وفریب کی اس طرح کی واردات بھی ہو سکتی ہیں؟ آخر میں جا کر نفس اپنی عظمت اور بڑائی کے خبط سے دستبردار ہونے لگتا ہے، طالب اس پر اللہ کے جتنا بھر شکرانہ بجالائے، کم ہے کہ اس نے اسے شیطانی صفت بڑے پن اور انانیت سے بڑی حد تک بچایا۔

طالب جب اس سلسلے میں اہل سیاست، اہل تجارت اور مؤثر طبقات اور خود معاشرے کی سطح پر لوگوں کے درمیاں ہونے والی کشیدگی اور تصادم کو دیکھتا ہے تو اسے یہ سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی کہ یہ سارا ٹکراؤ مفادات، انانیت اور دوسروں کی صدر نشینی پر فائز ہونے کی جلن ہی نتیجہ ہوتا ہے، اگرچہ بظاہر چاہے اسے اصولوں کی لڑائی قرار دیا جائے، لیکن حقیقتہ

نفس اپنی موجودگی میں دوسروں کی بڑائی کو دیکھنے کا روادار ہرگز نہیں ہوتا، وہ صدر نشینی، بڑائی، شہرت اور مان ومرتبہ کو اپنا ہی استحقاق سمجھتا ہے، جب دوسروں کو اس مقام پر فائز دیکھتا ہے تو نفس کی داخلی دنیا میں شدید ہلچل پیدا ہونے لگتی ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی آزمائش کے لئے اس کے اندر انانیت اور بڑے پن کا جو داعیہ رکھا گیا ہے، وہ اس لئے رکھا گیا ہے تاکہ فرد رضاکارانہ طور پر اس تقاضے سے دستبردار ہو کر عظمت کو سراپا اللہ کے لئے مختص کرے۔ اور عاجز اور مٹے ہوئے انسان کی حیثیت سے زندگی گذارنے کے سلیقہ سے آشنا ہو جائے۔

واضح ہو کہ معاصر شخصیتوں سے اصولوں کی بنا پر جو اختلاف ہوتا ہے، اس میں عزت وتکریم کے جذبات شامل ہوتے ہیں، اس میں حسد وجلن کے احساسات وجذبات نہیں ہوتے، طالب نفس کے خلاف معرکہ کے آخری مرحلے میں نفس کی سرکش قوتوں پر قابو پانے میں بڑی حد تک کامیابی حاصل کرلیتا ہے، لیکن نفس ٹھہرا بہر حال نفس جو شر کا علمبردار ہے وہ مہذب تو ہو جاتا ہے لیکن بالکل فنا نہیں ہوتا، وہ آخر وقت تک وسوسوں کی حد تک اپنا کام کرنے لگتا ہے، لیکن مجاہدوں سے گذرنے والے طالب کے لئے ان وسوسوں پر قابو پانا آسان ہو جاتا ہے۔

نفسی قوتوں کی طوفانی لہریں
اور اس سے مقابلہ کی صورت

اللہ کے طالب کو ایک شکایت یہ ہوتی ہے کہ حالت توسط میں اس کا جو وقت بھی ذکر کے بغیر گذرتا ہے، ان اوقات میں نفسی قوتیں اس کا شدید گھیراؤ کرکے، اس پر خواہشات،

جذبات اور وخیالات کا طوفان برپا کردیتی ہیں، کبھی بڑے پن کا وسوسہ آتا ہے تو کبھی دنیا کی محبت کا، کبھی جذبہ حسد اس کا گھیراؤ کرتا ہے تو کبھی دوسروں کی تحقیر کی باتیں دل میں آکر اس کے پاکیزہ احساسات کو مکدر کردیتی ہیں، کبھی حرص وہوس کے جذبات کروٹ لیتے ہیں تو کبھی مادی حسن کے خیالات سے وہ ذہنی انتشار کا شکار ہو جاتا ہے، غرض کہ ذکر سے وقفہ کے دوران وسوسوں، خیالات اور منفی جذبات کی طوفانی لہریں ہوتی ہیں، جو طالب کے دل کے نظام کو زیر زبر کردیتی ہیں، طالب روزمرہ زندگی میں نفسی قوتوں کی اس شہ روزی کو دیکھکر صحبت اور ذکر وفکر کے مجاہدوں کے عمل کو تیز سے تیز تر کردیتا ہے، ذکر کا نور اسے ان قوتوں سے اوپر اٹھادیتا ہے، نفسی قوتوں کا یہ حملہ اس وقت ہوتا ہے، جب طالب ذکر وفکر سے غافل ہونے لگتا ہے، اور ذکر میں اس کا وقفہ پیدا ہونے لگتا ہے، اگر لگاتار ذکر کرتا رہے اور وقت کا بیشتر حصہ ذکر میں مصروف رہے تو ذکر کا نور نفسی قوتوں کو حملہ آور ہونے یا وسوسوں کی صورت میں اس میں فکری انتشار پیدا ہونے میں ناکام ہوتی ہیں۔

اس لئے طالب مجبور ہوتا ہے کہ اپنا زیادہ وقت ذکر وفکر میں صرف کرے یا بزرگوں کی کتابوں، ان کے مواعظ اور ملفوظات کے مطالعہ میں صرف کرے، اس سے اسے تسلی ملتی ہے اور نفسی قوتوں کو حملہ آور ہونے کا موقعہ نہیں ملتا۔

اللہ کے طالب پر نفس کی یہ گرفت اس وقت کمزور ہوتی ہے اور اس کی روحانی قوتیں نفسی قوتوں پر اس وقت غالب ہوتی ہیں، جب طالب کثرت ذکر اور صحبت سے دل کے سارے حصوں کو ذکر کے نور سے منور کرنے میں کامیاب ہوتا ہے، اس کے بعد نفس کو ذہن اور دل کو اغویٰ کرکے، ان کو اپنا آلہ کار بنانے اور وسوسوں کا شکار بنانے کی اس کی قوت مضمحل ہو جاتی ہے اس لئے کہ مجاہدوں اور اللہ کے فضل خاص کے نتیجہ میں اب طالب پر رحمانی

وملکوتی قوتوں کے اثرات غالب ہو گئے، اب اگر نفسی قوتیں حملہ آور ہوتی بھی ہیں تو ان قوتوں سے اس کی مزاحمت کی صلاحیت طاقتور ہو جاتی ہے، اور یہ قوتیں جلد ہی راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔

چونکہ نفسی قوتیں ہر فرد کے ساتھ ہوتی ہیں اور دنیا میں سارا فساد انہی قوتوں ہی کا برپا شدہ ہوتا ہے، نفس ہی کی قوتیں ہیں، جو افراد کے لئے جہنم میں داخلہ کا ذریعہ بنیں گی **فاما من طغیٰ وأثر الحیوٰۃ الدنیا فان الجحیم ھی الموٰی** پس جس نے سرکشی اختیار کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی اس کا ٹھکانہ جہنم ہے، اس سے آگے کی آیت ہے **واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھویٰ فان الجنۃ ھی الموٰی** (اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا اور نفس کی خواہشات کو رکتا رہا، اس کے رہنے کی جگہ جنت ہے)۔

اللہ کے طالب کی طرف سے نفسی قوتوں کو مفتوح کرنے کا یہ سفر ایسا ہے، جس سے استفادہ کر کے اصلاح نفس اور تزکیہ نفس کی راہ اختیار کرنا، انتہائی ضروری ہے، بلکہ نفسی قوتوں کو مفتوح کرنے اور خواہشات کو پامال کرنے کے کام کو سارے کاموں پر ترجیح دینا چاہئے، دوسری صورت میں یہ زندگی بھی ظلمات میں بسر ہو گی تو آخرت میں تو اللہ کے شدید عتاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔

اللہ کی سنت
کتاب اللہ کے ساتھ
رجال اللہ کا ہونا

اس دور میں ایک اہم اور بنیادی اصولی نکتہ نظر انداز ہوا ہے (جس کی وجہ سے اسلامی تعلیمات کو کھینچ کھانچ کر عقلیت پرستی کے مقاصد کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے) وہ یہ نکتہ یہ ہے کہ کتاب اللہ کے ساتھ رجال اللہ کی بھی مسلمہ اہمیت ہے، اللہ کی یہ سنت ہے کہ اس نے ہر دور میں کتاب اللہ کے ساتھ رجال اللہ کو اہمیت دی ہے، سوا لاکھ انبیاء کرام کی بعثت کے پیچھے جو حکمت کارفرما ہے، وہ یہی ہے کہ افراد کے نفس کا تزکیہ اور سنوارنے کا عمل کتاب سرانجام نہیں دیتی، یہ فریضہ شخصیت سرانجام دیتی ہے، ورنہ اللہ کے لئے یہ کوئی مشکل بات نہیں تھی کہ فرشتوں کے ذریعہ لوگوں تک کتاب پہنچا دیتے، اور فرماتے کہ بس اسی پر عمل کرو، لیکن اللہ نے ایسا نہیں کیا، انسان کی نفسیات اتنی پیچیدہ ہے اور انسانی نفس، مکر و فریب اور عیاری سے اتنا بھرا ہوا ہے کہ اس کی اصلاح محض کتاب سے نہیں ہوتی، کُل انبیاء کرام سوا لاکھ تشریف لائے، جب کہ کُل صحیفے اور کتابیں ایک چار تھی۔

قرآن مجید کے ساتھ بھی اللہ کی سب سے محبوب شخصیت حضور ﷺ کی تھی، جس نے کتاب کی تعلیم کے ساتھ افراد کا تزکیہ بھی کیا اور صحبت کے نور کے ذریعہ ان کی نفسی بیماریوں کو دور فرمایا، ان کا ایسا تزکیہ فرمایا کہ صحابہ کرام کی زندگیاں پوری انسانیت کے لئے ماڈل بن گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا میرے صحابی کا اللہ کی راہ میں جو کی مٹھی خرچ کرنا،

دوسرے امتی کی طرف سے احد پہاڑ جتنا سُونے خرچ کرنے سے افضل ہے؟ آخر اس کا سبب کیا ہے؟ اس کا سبب اللہ کے رسول کی صحبت تھی، اس صحبت نے صحابہ کرام کو ایمان ویقین اور اخلاص کی ان بلندیوں تک پہنچایا تھا کہ امت کی بڑی سی بڑی شخصیت بھی اس کے معمولی حصہ تک نہیں پہنچ سکتی، اس کے بعد صحابہ کرام نے اپنی صحبت کے ذریعہ تابعین کا تزکیہ کیا، تابعین نے اپنی صحبت کے ذریعہ تبع تابعین کا تزکیہ کیا، صحبت کے اس مسلسل عمل سے جہاں قرآن وسنت کی بنیادی تعلیمات منتقل ہوئی، وہاں افراد کو تزکیہ کے مراحل سے گزارنے کا عمل بھی سرانجام ہوتا رہا۔

صحبت کا یہی وہ تسلسل ہے، جو بزرگان دین میں اپنی صحبت میں آنے والے افراد کا تزکیہ کرکے، انہیں دوسروں کی تربیت کے مقام پر فائز کرنے کی صورت میں ہوتا رہا۔

بدقسمتی سے اس دور میں عقلیت کی تحریک کے زیر اثر رجال اللہ کی اہمیت سے انکار کی روش غالب ہوئی ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ ایک تو کتاب اللہ سے دین کے صحیح مقاصد اور فرائض وواجبات کی صحیح ترتیب کا عمل متاثر ہوا، اپنی عقل اور لغت کے ذریعہ دین کے مقاصد اور فرائض وواجبات کو سمجھنے کی کوشش ہوئی، جس سے دین کی ترتیب تبدیل ہوئی، دوم یہ کہ رجال اللہ سے دوری کی وجہ سے علم وفکر کی حامل جدید شخصیات کے تزکیہ کی صورت پیدا نہ ہوئی، تزکیہ سے محرومی کی وجہ سے وہ شدید باطنی امراض کا شکار رہے اور اپنے علم کے ذریعہ وہ سلف صالحین کی تکذیب اور امت میں تفریق پیدا کرنے کا ذریعہ بنے رہے، رجال اللہ کو اہمیت نہ دینے کا نتیجہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا نکل بھی نہیں سکتا تھا۔

امت نے اب تک دین کو رجال اللہ کے ذریعہ سمجھا ہے اور کتاب اللہ کے معنیٰ ومفہوم اور اس کی روح کو بھی رجال اللہ سے سیکھا اور سمجھا ہے، امت کے اس تسلسل کی جب بھی جس نے بھی خلاف ورزی کی اور رجال اللہ سے صرف نظر ہو کر، اپنی عقل یا لغت یا اپنے جیسے عقلیت کے حاملین سے دین کے حقائق کو سمجھنے کی کوشش ہوئی ہے تو اس سے دین کی حقیقت کے فہم میں تبدیلی پیدا ہوئی اور امت کا تسلسل بُری طرح متاثر ہوا۔

اس دور میں عقلیت کے صاحبان کچھ زیادہ ہی پیدا ہوئے ہیں، جنہوں نے اسلام کی تعلیمات کو جدیدیت (عقلیت وعقل پرستی) سے ہمہ آہنگ بنانے میں اپنی توانائیاں صرف کیں، چونکہ وہ خطابت اور علمی صلاحیتوں کے حامل ہیں، اس لئے انہوں نے اسلام کے نام پر نئی نسل کے قابل ذکر طبقہ کو امت کے تسلسل سے دور کر دیا۔

بدقسمتی سے دور جدید کے بعض مخلص افراد کو بھی یہ غلط فہمی لاحق ہے کہ اسلامی تعلیمات کی روح کو سمجھنے کے لئے رجال اللہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس کے لئے محض کتاب اللہ کافی ہے، چونکہ اللہ کی کتاب کے ایک ایک لفظ کے کئی کئی معنیٰ ہیں، پھر اللہ کی کتاب میں بعض چیزیں مقاصد کی اہمیت کی حامل ہیں تو بعض مقاصد کے لئے معاون کی حیثیت رکھتی ہیں، قرآن کی اس ترتیب کو سمجھنے کے لئے بھی امت کے تسلسل پر نگاہ ہونا ضروری ہے، جو رجال اللہ کی صحبت کے ذریعہ ممکن ہے۔

اللہ کے عتاب کی صورت
مٹی کے ڈھیر جمع کرنے میں
توانائیاں صرف کرنا

روزی کے لئے جدوجہد کرنا ضروری ہے، حدیث شریف ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو روزی کی جدوجہد کے لئے پسینہ بہاتے ہوئے دیکھ کر خوش ہوتا ہے، روزی کے لئے وسائل کو اختیار کرنا اللہ کو پسندیدہ عمل ہے، لیکن وسائل کو اختیار کرنے کے باوجود وسائل ہی کو سب کچھ نہ سمجھا جائے، توکل، اللہ کی ذات پر ہو کہ وہ وسائل میں برکت عطا فرمائے گا۔

موجودہ دور میں غریب طبقہ جو کروڑہا کی تعداد میں ہے، وہ تو بنیادی ضروریات کے حصول کے سلسلے میں سخت پریشانی کا شکار ہے، مہنگائی ہے جو مسلسل بڑھتی جارہی ہے، لیکن معاشرے کے مؤثر اور مقتدر طبقات خوشحال سے خوشحال تر ہورہے ہیں، رشوت، لوٹ مار، ملاوٹ وغیرہ کے ذریعہ ایک طبقے کی دولت میں عوام کی غربت کی قیمت پر اضافہ ہورہا ہے۔

ناجائز ذرائع سے حاصل ہونے والی دولت دراصل دنیا میں اللہ کے عتاب کی صورت ہے، اس دولت کی حیثیت مٹی کے ڈھیر جمع کرنے سے زیادہ نہیں ہے، اس لئے کہ ضرورت سے زیادہ دولت افراد کے کسی کام کی نہیں ہے، مرنے کے بعد وہ دوسروں کی طرف منتقل ہوگی اور دولت جمع کرنے کے جنون کی، عذاب کی صورت میں سخت بھی ملے گی۔

قرآن میں ایک جگہ ہے کہ: ہم ان کو دولت اور اولاد دے کر ان کو دنیا میں ہی عذاب دینا چاہتے ہیں۔

کثرت دولت سے چونکہ دولت کی مزید حرص پیدا ہونے لگتی ہے، اس لئے مزید دولت جمع کرنے کا جنون پیدا ہونے لگتا ہے اور دولت بجائے خود مقصود بن جاتی ہے اور فرد کی ساری توانائیاں دولت کے حصول کی جدوجہد میں صرف ہونے لگتی ہے، ہمارا آئے دن کا مشاہدہ ہے کہ غریب خاندان کا ایک فرد بڑا افسر بن جاتا ہے تو وہ شب و روز جائداد و املاک بنانے کے مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے، وہ کروڑہا روپے سے زیادہ کی جائداد بناتا ہے، لیکن دل سیر نہیں ہوتا۔

حدیث شریف میں ہے کہ جس طبقہ (جس خاندان) میں دولت آئے گی، اس طبقہ میں دشمنی (ضرور) پیدا ہوگی یعنی دولت اپنے ساتھ حسد، جلن اور دشمنی بھی لاتی ہے۔

دولت کے حصول کی جدوجہد میں قیمتی زندگی کی ساری صلاحیتیں اور توانائیاں خرچ کرنا سب سے بڑی نادانی ہے، اس لئے کہ ضرورت سے زیادہ دولت مٹی کے ڈھیر کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے، یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ جب تک اعلیٰ اور پاکیزہ مقصد دل اور مزاج کا حصہ نہ بنے گا، تب تک دنیا کی محبت سے بچنا ممکن نہیں۔ حدیث شریف ہے کہ دنیا کی محبت ساری بُرائیوں کی جڑ ہے، دنیا میں برپا شدہ سارا فساد اور انسانیت کی پامالی کی ساری روش میں دنیا کی محبت ہی کا جذبہ کارفرما ہے، دنیا میں حکومتوں کو چلانے اور ریاستوں کی اپنے مقاصد سے ہمہ آہنگ پالیسیاں بنانے میں بھی بنیادی کردار سرمایہ داروں ہی کا ہے۔

دنیا کی محبت کا سب سے المناک نتیجہ جو ظاہر ہوتا ہے، وہ موت کے وقت دنیا کی محبت سامنے آکر، اللہ کی ملاقات سے بیزاری پیدا کردیتی ہے، یہ بیزاری ایسی چیز ہے، جو فرد کو کفر

تک پہنچانے کا ذریعہ بن سکتی ہے، اس لئے دل سے دنیا کی محبت کو نکالنے کے کام کو سارے کاموں پر ترجیح دینی چاہئے، دنیا کی یہ محبت اللہ کے کثرت ذکر کے نور سے ہی نکل سکتی ہے۔

دنیا کی محبت نکلنے کی ایک بڑی علامت یہ ہے کہ دولت کے حصول کے لئے ناجائز ذرائع استعمال نہ ہوں، اس کی دوسری علامت یہ ہے کہ خیر کے کاموں میں دولت خرچ کرنے کے لئے دل آمادہ ہو۔

اگر یہ دونوں چیزیں موجود ہوں تو پھر دولت کے لئے ہونے والی جدوجہد میں دنیا کی محبت شامل نہ ہوگی، حصولِ دولت کے لئے اس طرح کی جدوجہد صحیح ہوگی بلکہ ایسی جدوجہد نافع ہوگی کہ اس سے خیر کے کام ہوتے رہیں گے اور ان کاموں کو تقویت حاصل ہوتی رہے گی۔

اللہ کی محبت سے

اخلاص، اعمال اور خشیت کا وابستہ ہونا

اللہ سے محبت ایسی عظیم نعمت ہے کہ جوں جوں اس کے ارتقائی مراحل طے ہوتے جاتے ہیں، اسی حساب سے سارے ظاہری اور باطنی اعمال میں بہتری، پاکیزگی اور آسانی پیدا ہونے لگتی ہے۔

محبت کی یہ خاصیت ہے کہ محب، محبوب کے لئے وارفتہ ہو کر، اس کے لئے سب کچھ کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے، یہ خاصیت حقیقی محبت کی ہے اور اُس محبت کی ہے، جس میں محبوب کے لئے غیر معمولی مجاہدے شامل ہوں، حقیقی محبت اور محبت کے ارتقائی مراحل سے نیت میں اخلاص پیدا ہونے لگتا ہے، یہاں تک محب، محبوب کے لئے خالص بن جاتا ہے، نیت کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کو بندے کے عمل سے زیادہ اس کی نیت پسند ہے، محبت سے اعمال صالحہ کی سرانجامی کی استعداد پیدا ہونے لگتی ہے، بلکہ اعمال میں حلاوت آنے لگتی ہے، محبت سے محبوب کی شان عظمت کا احساس غالب ہونے لگتا ہے، اس سے خشیت پیدا ہونے لگتی ہے اور طالب محبوب کے سامنے جواب دہی کے احساس سے کانپنے لگتا ہے۔

محبت سے تقویٰ پیدا ہونے لگتی ہے اور ہر قسم کی بُرائی سے بچنے اور ہر نیکی کرنے کی صلاحیت ابھرتی ہے، محبت سے تزکیہ (نفس کو سنوارنے کا عمل) سرانجام ہوتا ہے، اس لئے کہ جس مزکی و مربی کی صحبت کے زیر اثر محبت کا سفر ہوتا ہے، ان کی صحبت کی تاثیر اور محبت دونوں مل کر طالب کے نفس کو سنوارنے کا فریضہ سرانجام دیتی ہے۔

محبت سے سیرت و کردار میں پاکیزگی اور سلیقہ انسانیت پیدا ہوتا ہے، اس لئے کہ محبت اور عشق انسانی نفس کی بہیمانہ قوت کو خلا کر خاکسر کر دیتا ہے، اس سے پاکیزہ کردار جنم لیتا ہے۔

محبت، طالب میں اللہ کے لئے جینے اور اللہ کے لئے مرنے کا حوصلہ پیدا کرتی ہے، اس لئے کہ محبت کے ارتقائی مراحل سے طالب کا دل دوسری ساری محبتوں سے پاک صاف ہو کر محبوبِ حقیقی کی محبت سے سرشار ہونے لگتا ہے اور محبوب کی رضا اس کا مقصود بن جاتی ہے۔

ہمارا تجربہ ومشاہدہ ہے کہ فرد کو اپنے بچوں سے محبت ہوتی ہے، یہ محبت اسے دس بارہ گھنٹوں تک ان کی روزی کے لئے مشقتوں پر آمادہ کرتی ہے، وہ تھک جاتا ہے، لیکن تھکنے کے باوجود وہ کام میں لگا رہتا ہے، اس لئے اہلیہ اور بچوں سے فطری محبت اسے ایسا کرنے پر مجبور کرتی ہے، اللہ کی محبت تو اس محبت سے بہت بلند ہے، جب صحبت اور ذکر وفکر کے مجاہدوں سے اللہ کی محبت کے ارتقائی مراحل طے ہونے لگتے ہیں تو فرد، اللہ کے لئے سب کچھ کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور اس میں انسانیت کے سارے اوصاف پیدا ہونے لگتے ہیں۔

اللہ کی جو والہانہ محبت فرد میں یہ اوصاف پیدا کرتی ہو، اس محبت کو اہمیت نہ دینا یا اس کی طرف نہ آنا، یہ انسانیت کی سب سے بڑی محرومی ہے اس سے بڑھکر محرومی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

مسلم شریف کی حدیث ہے کہ جس شخص میں تین باتیں موجود ہوں، وہ ایمان کی حقیقی حلاوت سے فیضیاب ہوگا، ایک یہ کہ اللہ اور اس کا رسول اسے سب سے زیادہ محبوب ہوں، دوسرے یہ کہ وہ جس سے بھی محبت کرے، اللہ کے لئے کرے، (یعنی دوسروں سے اس کی محبت خالص اللہ کے لئے ہو) تیسرے یہ کہ کفر میں واپس جانے کو وہ اتنا بُرا سمجھے، جیسے آگ میں ڈالے جانے کو بُرا سمجھتا ہے۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت ایسی عظیم نعمت ہے کہ فرد اس کی وجہ سے ایمان کی حقیقی حلاوت سے بہرہ ور ہوتا ہے، یہ حلاوت ایسی ہے جو دوسری ساری حلاوتوں کو ہیچ کر دیتی ہے۔

طالب پر نفس کی الوہیت کے خیالات کا غالب آنا
(طالب کے حالات کی عکاسی)

اللہ کے طالب کا یہ مشاہدہ ہے کہ جب تک وہ اللہ کے ذکر کی حالت میں ہے یا ذکر کے اثرات اس پر ایک حد تک بھی طاری ہیں، تب تک وہ اللہ کی الوہیت پر قائم رہتا ہے، یعنی اللہ کو وہ اپنا معبود ومقصود قرار دیتا ہے، اس کے سارے اعمال، افکار خالص اللہ کے لئے ہوتے ہیں، لیکن وہ جوں ہی ذکر سے غافل ہوتا ہے، یا ذکر کے نورانی اثرات مدھم ہونا شروع ہو جاتے ہیں، اس وقت اس پر نفس کی الوہیت کے خیالات غالب آنا شروع ہو جاتے ہیں، یعنی اس وقت نفس، اللہ کی الوہیت میں شریک ہونا شروع ہو جاتا ہے، اس وقت اس کے خیالات اور احساسات میں نفسیانیت کی آمیزش ہونا شروع ہو جاتی ہے، اور احساسات میں پاکیزگی باقی نہیں رہتی۔

یہ طالب کا ایسا مشاہدہ ہے، جو اسے روزمرہ زندگی میں درپیش ہوتا ہے، **افرئیت من اتخذ الاھه ھوٰہ**۔ (کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا، جس نے خواہشات کو الہ (معبود) بنایا ہے) اس کا منظر طالب کے سامنے ہوتا ہے، نفس کی اس حیرت انگیز قوت کا مشاہدے اللہ کے طالب سے زیادہ شاہد ہی کسی کو ہو سکے، نفس کی اس حالت کے پیش نظر اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں دعا سکھائی ہے (یا اللہ مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی نفس کے حوالے نہ کردے)۔

راہ محبت میں طالب ہر وقت نفس کے ساتھ حالت جنگ میں رہتا ہے، وقتاً فوقتاً منفی خیالات اور منفی احساسات کی طوفانی لہریں اس کے اندر سے اٹھکر اس کے دل اور ذہن کو زیروزبر کرتی رہتی ہیں، وہ جوں ہی ذکر کا سہارا لیتا ہے تو یہ منفی قوتیں راہ فرار اختیار کرنے لگتی ہیں۔

نفس کی طرف سے اللہ کی الوہیت میں شرکت کی دعویداری ایسی چیز ہے، جو طالب کے لئے سب سے زیادہ فکرمندی کا باعث ہوتی ہے اور اس کی زندگی کا ہدف ہی نفسی قوتوں کو مہذب بنا کر، ان قوتوں کو مکمل طور پر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں دیدینے کا کام بن جاتا ہے۔

البتہ منتہی طالب کے ساتھ اللہ کا فضل خاص ہوتا ہے کہ اس کے غیر معمولی مجاہدوں کی وجہ سے نفسی قوتیں یا شیطانی قوتیں اس کے دل میں وسوسہ پیدا کرنے تک محدود ہوتی ہیں، منتہی طالب فوراً چونک جاتا ہے، اور نفسی اور شیطانی قوتوں کے وسوسے یا خیالی حملوں سے آشنا ہو کر، فوراً استغفار کرنے لگتا ہے، اگر استغفار سے بھی وسوسے مدھم نہیں ہوتے تو وہ اندر میں ڈوبنے کا عمل شروع کر دیتا ہے، اس سے فوراً رحمانی قوتیں نفسی اور شیطانی قوتوں پر غالب آنا شروع ہو جاتی ہیں۔

طالب کا یہ مشاہدہ ایسا ہے، جو اسے ہر وقت ہوشیار اور چوکنا رہنے پر اکساتا رہتا ہے، تاکہ نفسی قوتیں اللہ کی الوہیت میں شرکت کی دعویداری کی راہ پر گامزن نہ ہوں۔

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو اللہ کے طالب کی دنیا عجیب وغریب دنیا ہوتی ہے، اس کی دنیا پاکیزہ احساسات اور ناپاکیزہ احساسات کی ہوتی ہے کہ کسی طرح ناپاکیزہ احساسات پر پاکیزہ احساسات غالب ہو جائیں۔

چونکہ عقل جو عام طور پر نفس کی آلہ کار قوت ہوتی ہے، وہ ۲۴ گھنٹے متحرک رہتی ہے خواب میں بھی وہ بیداری کی حالت میں ہونے والی سرگرمیوں اور خیالات کے بدلتے ہوئے منظر سے دوچار ہوتا ہے، اس لئے اللہ کے طالب کی نفس کے خلاف جنگ ہر وقت ہوتی ہے، نفس چاہتا ہے کہ زندگی کے ہر معاملے میں اللہ کے ساتھ ساتھ، اس کا بھی حصہ شامل ہو، یعنی اللہ بھی راضی ہو تو نفس بھی خوش ہو، یہ ایسی خوفناک حالت ہے، جس سے طالب کو سابقہ درپیش ہوتا ہے۔

اللہ کی محبت سے باہر کے افراد کو تو عام طور پر اس کا ادراک ہی نہیں ہوتا کہ شخصیت پر غالب نفس کی قوتوں پر فتحیابی حاصل کی جائے۔ ان کی غرض اس بات سے ہوتی ہے کہ زندگی معاشی اعتبار سے بہتر سے بہتر گذرے، وہ نفسی قوتوں سے معرکہ آرائی کے حالات کو نہ تو جانتے ہیں، اور نہ ہی انہیں اس سے کوئی دلچسپی ہوتی ہے۔

نفسی قوتوں سے اس بے اعتنائی کا نتیجہ ہے کہ معاشرہ افراد کی نفسی قوتوں کی خرابی کی وجہ سے ہر طرح کے فساد سے دوچار ہے، دلوں میں ایک دوسرے سے نفرت اور کدورت کی فضا موجود ہے، دوسروں پر اپنی سیادت وقیادت اور بالادستی قائم کرنے کے جذبات ہیں، جو مچلتے رہتے ہیں، اس کا سب سے بُرا منظر اہل سیاست کا ہے، روزانہ اخبارات کے ذریعہ اہل سیاست ایک دوسرے کو للکارتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے کی کھال اڈھیرنے کی کوششوں میں مصروف رہتے ہیں۔

جب نفسی خواہشات معبود بن جاتی ہیں تو پھر ایسا ہی ہوتا ہے، دین ومذہب کے نام پر بھی اس طرح کی روش غالب ہوتی ہے۔

ہر انسان کے ساتھ نفس کی قوت رکھکر اللہ نے اسے سب سے بڑی آزمائش سے دوچار کیا ہے، عام طور پر ہر انسان نفسی خواہشات کے مطابق زندگی گذار کر موت سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔

اللہ کے طالب پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے کہ اسے نفس کے ساتھ حالت جنگ میں رکھکر، نفسی قوتوں کو شکست دینے کی راہ پر گامزن کیا ہے، مبتدی طالب نفس کے حملوں کا زیادہ شکار ہوتا ہے، اسے روز مرہ زندگی میں منفی خیالات واحساسات سے واسطہ پڑتا ہے، متوسط طالب پر نفسی قوتیں کچھ کم اثر انداز ہوتی ہیں، اس لئے کہ وہ مجاہدوں کی حالت میں ہونے کی وجہ سے ذکر کے انوار اس پر غالب رہتے ہیں، ہاں یہ صحیح ہے کہ اس کا جو وقت ذکر، صحبت اور اہل اللہ کی کتابوں کے مطالعہ کے بغیر گذرتا ہے، ان اوقات میں وہ نفسی قوتوں کے حملوں کا شکار رہتا ہے، البتہ منتہی طالب پر نفسی قوتوں کا زور ٹوٹ جاتا ہے اور اس کا نفس آسانی سے کنٹرول میں آتا ہے اور اس کا بیشتر وقت پاکیزہ خیالات واحساسات میں گذرتا ہے۔

اصولوں کی خلاف ورزی سے سزا کا ملنا

اسلامی تعلیمات ہمارے لئے دستور العمل کی حیثیت رکھتی ہیں، اسلامی تعلیمات کے کسی بھی اصول کی خلاف ورزی کے نتیجہ میں طالب کو سزا ملتی ہے، اس سزا کی کم سے کم صورت یہ ہوتی ہے کہ دل کا نظام درہم برہم ہونے لگتا ہے، اس سلسلے میں مثال کے طور پر کچھ اصول پیش کئے جاتے ہیں۔

آنکھ کی حفاظت کرنا ضروری ہے، بد نظری کی بیماری ایسی ہے، جو فرد کو جنسی آوارگی کی راہ پر لے جانے کا ذریعہ بن سکتی ہے، اس میں میڈیا اور سوشل میڈیا میں عورت کی تصویر بھی شامل ہے کہ اس سے بھی نگاہ کی پاکیزگی بری طرح متاثر ہوتی ہے، بلکہ جان بوجھکر بد نظری سے مادی حسن کے منفی خیالات کی ایک رَو ڈورنے لگتی ہے، جو فرد کے دل کو زیر وزبر کرنے لگتی ہے اور دماغ کو مسموم کرتی دیتی ہے، اگر وقتی جذبہ کے تحت بد نظری ہوئی ہے تو وہ بھی نقصان دہ ہے، لیکن طالب کو بہت زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، وہ توبہ استغفار کرکے، آئندہ مادی حسن اور بد نظری سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرے۔

موجودہ دور میں عورت کے فتنہ سے بچنا یقینا مشکل ہے، لیکن مبتدی طالب (بندہ مومن) کو ہمت اور حوصلہ کا مظاہرہ کرکے بھی اپنے آپ کو بد نظری سے بچانا پڑے گا، البتہ راہ محبت میں وہ جوں جوں آگے بڑھے گا، ذکر کا نور از خود اس میں آنکھوں کی حفاظت کی استعداد پیدا کرے گا، یعنی اتنی ایمانی قوت پیدا ہو جائے گی کہ یہ دل آنکھوں کو بد نظری سے روکنے پر آمادہ کرنے کا باعث بنے گا۔

رشوت لینا یا کسی کا مال ہضم کرنا، یہ ایسا گناہ ہے، جس سے فرد کے لئے راہ محبت سلب ہونے لگتی ہے۔

دنیاداروں اور مال سے محبت رکھنے والوں سے دوستی کے تعلقات استوار کرنا، اس سے طالب لئے دنیاداری کی راہ پر گامزن ہونے کے خطرات لاحق ہوتے ہیں اور اللہ والوں کی مجلس میں شرکت سے طبیعت میں تکدر پیدا ہونے لگتا ہے۔

رشتہ داروں سے تعلقات توڑنا، یہ بھی ایسا گناہ ہے، جس سے عزیزوں کی دل آزاری ہوتی ہے، عزیزوں کی دل آزاری بڑے گناہوں میں شمار ہوتی ہے، اگر یہ گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً رشتہ داروں سے معافی مانگ کر، ان سے تعلقات بحال کئے جائیں۔ گِلا، غیبت اور کثرت گوئی کا گناہ بھی ایسا ہے، جس سے فرد کی باگ نفس کے حوالے ہونے لگتی ہے اور اصلاح کا راستہ مسدود ہونے لگتا ہے اور فرد عمل سے زیادہ گفتگو کا غازی بننے لگتا ہے، ان سے گفتگو چاہے جتنی کرالو، لیکن عمل میں وہ سب سے پیچھے ہوتا ہے۔

حسد اور جلن کی وجہ سے کسی کی تحقیر کرنا، یہ بھی بڑے گناہوں میں شامل ہے، تحقیر کرنا بجائے خود گناہ ہے، لیکن اس میں جب حسد اور جلن بھی شامل ہو جائے تو اس گناہ کی سنگینی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

نماز میں سستی کرنا، سستی سے ہوتے ہوئے نماز چھوڑ دینا، یہ بھی کبیرہ گناہوں میں شامل ہے، جس سے فرد کی نفسیات میں نیکی کو قبول کرنے کی صلاحیت کمزور ہو جاتی ہے۔

مزاج کے خلاف باتوں یا واقعات سے طیش اور غصہ کا آنا، اور اس مزاج کا عام ہونا، یہ بڑی تشویش کی بات ہے، اس لئے کہ اس سے باہم دل ایک دوسرے سے ٹوٹتے ہیں اور معاشرے میں انتشار اور فساد برپا ہوتا ہے، اس مزاج کا حامل فرد بھی راہ محبت میں چل نہیں

سکتا، اس کی یہ بیماری اسے اس راہ پر چلنے سے دور کر دیتی ہے۔ خود ثنائی کی بیماری کا ہونا یا دکھاوے کے لئے کام کرنے کے مزاج کا ہونا، یہ بھی ایسی بیماری ہے، جو فرد کو اللہ شناسی سے دور کر دیتی ہے۔

اس طرح کے گناہ اگر مزاج کا حصہ نہ ہوں، وقتی طور پر ہو جائیں تو طالب کو چاہئے، کہ وہ دل کی گہرائیوں سے اللہ سے معافی مانگ کر آگے چلے، یہ سوچنے کی کوشش نہ کرے کہ مجھ سے یہ گناہ کیوں ہوئے، زیادہ تشویش سے مایوسی پیدا ہو سکتی ہے، البتہ اگر یہ گناہ بار بار ہونے لگیں اور دل میں احساسِ شدت بھی موجود نہ ہو تو پھر تشویشناک بات ہے، ایسے فرد کے لئے راہ محبت کا دروازہ وا نہیں ہو سکتا۔

اللہ کی محبت کا راستہ تو انہی طالبوں کے لئے کھلتا ہے، جو اللہ کی طرف رجوع والے دل کے حامل ہوں، درمیان میں اگر ان سے بشری تقاضوں کے تحت گناہ ہوتے ہیں تو وہ بہت زیادہ پشیمان ہو کر استغفار کر کے، اللہ کی راہ کی طرف چل پڑتے ہیں۔

سارے اسلامی اصولوں کی پاسداری ضروری ہے، اس کے بغیر اللہ کی محبت کا دروازہ وا نہیں ہوتا، اگر وا ہو بھی جائے تو استقامت سے چلنے کی صورت پیدا نہیں ہوتی۔

ہم نے ایسے بہت سارے طالب دیکھے ہیں، جنہوں نے مذکورہ اصولوں میں سے کسی بھی ایک اصول کی خلاف ورزی کی، اس کی وجہ سے انہیں جو سزا ملی، وہ یہ ہے کہ ان سے راہ محبت کی استعداد سلب کر دی گئی۔ بہت زیادہ محتاط ہونے اور سنبھلنے کی ضرورت ہے۔

اداروں اور تنظیموں میں
داخلی انتشار کا ایک اہم سبب

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے ''مجالس علی میاں'' میں ایک اہم نکتہ بیان فرمایا ہے۔

''کسی مدرسے، کسی ادارے اور تحریک کی ترقی اور اس میں برکت وافادیت اس وقت تک نہیں ہو سکتی، جب تک اس زمانہ کے صلحاء اور اہل قلوب سے اس کا تعلق نہ ہو اور وہ اس سے خوش نہ ہوں، جب کوئی مدرسہ یا ادارہ اپنے زمانہ کے اہل قلوب سے بے تعلق و بے نیاز ہو جاتا ہے تو وہ فتنوں میں گھر جاتا ہے اور اس کو مصائب و آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔''

مولانا علی میاں جیسی صاحب بصیرت شخصیت کا بیان کردہ یہ نکتہ نہایت اہم ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ اہل اللہ کی صحبت اور ان سے تعلق کے بغیر نفس کی وسیع دنیا میں موجود مگر مچھوں کا علم نہیں ہوتا، اور باطن میں موجود مکر وفریب اور حجابات و کدورتیں اور حب جاہ وحب مال کے جذبات پوری شدت سے موجود ہوتے ہیں، ان حجابات، کدورتوں اور مگر مچھوں کی موجودگی میں اداروں اور تنظیموں میں کام کرنے والے افراد کے مفادات ایک دوسرے سے ٹکرانے لگتے ہیں، اور ان کی انانیتیں ایک دوسرے کے سامنے آنے لگتی ہیں، اس کی وجہ سے بڑے جذبے سے شروع کردہ دینی کام میں قدم قدم پر رکاوٹیں، دشواریاں اور مشکلات پیدا ہونے لگتی ہیں، یہ مشکلات نفس کے مکر وفریب ہی کی پیداوار ہوتی ہیں، اداروں اور تنظیموں میں کام کرنے والے مؤثر افراد بظاہر تو ایک دوسرے سے بہتر طور پر پیش آتے ہیں، لیکن اندرونی طور پر وہ ایک دوسرے کو گرانے کے جذبات سے سرشار ہوتے ہیں، اس میں مفادات کا ٹکراؤ بھی ہوتا ہے تو ساتھ ساتھ دوسروں کی امارت وصدر نشینی کی حالت کو دیکھکر، حسد وجلن کے جذبات بھی کارفرما ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے اداروں، تنظیموں اور مدرسوں میں ذمہ دار افراد کے درمیان اکثر انبن اور ٹکراؤ کی فضا موجود ہوتی ہے، جس سے تنظیمیں یا تو انتشار کا شکار ہو جاتی ہیں یا ان کے کام کی افادیت بُری طرح متاثر ہوتی ہے۔

ہم نے ایسے متعدد ادارے دیکھے ہیں، جو وسائل ہونے کے باوجود افراد کی انانیتوں، حسد وجلن کا شکار ہو کر ختم ہو گئے۔

اہل قلوب اور اہل اللہ کی صحبت اور ان سے تعلق ہونا، اس لئے ضروری ہے کہ ان کے دل کے آئینہ میں اپنے حالات وکیفیات کی تصویر سامنے آنے لگتی ہے اور ان سے مسلسل تعلق کے نتیجہ میں نفس کے سدھرنے اور سنورنے کی صورت پیدا ہوتی ہے۔

یہ ایسا نکتہ ہے، جو بدقسمتی سے اس دور میں عقلیت کے غلبہ اور نفسی قوتوں کی جارحانہ حالت کی وجہ سے سمجھ میں نہیں آرہا ہے، جس کی وجہ سے ملت کے ادارے اور تنظیمیں داخلی طور پر خلفشار کا شکار ہیں اور وہ ملت کی بہتری کے سلسلے میں اہم کردار ادا کرنے سے قاصر ہیں۔

اہل اللہ، اہل قلوب یا صلحائے امت کی اہمیت یہ ہے کہ وہ دلوں کے راز دان ہیں اور نفس شناسی کے ماہر ہیں، افراد بظاہر بڑے صاحب علم اور صاحب ذہانت ہوتے ہیں، ملک وملت کی بہتری کا جذبہ بھی رکھتے ہیں، لیکن ایسے افراد باطن کی وسیع دنیا کی اصلاح نہ ہونے کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے مسائل پر ایک دوسرے سے الجھ جاتے ہیں، اس طرح کے افراد جب اہل اللہ کی صحبت میں آتے ہیں تو ان پر اپنے باطنی امراض پورے طرح آشکار ہونے لگتے ہیں، اور صحبت کے اس تعلق کو مستقل قائم رکھنے کی وجہ سے ان امراض کی بہتری کی صورت بھی پیدا ہوتی چلی جاتی ہے، اس کے بعد ان میں محبت، رواداری، صبر، تحمل، عاجزی اور فروتنی جیسے اوصاف پیدا ہونے لگتے ہیں، اس طرح وہ اداروں، تنظیموں اور مدرسوں کے لئے کار آمد، مفید بلکہ انکی ترقی کا موجب ثابت ہوتے ہیں۔

جب ہم بڑے بڑے اداروں اور تنظیموں کے اندر جا کر جائزہ لیتے ہیں تو یہ دیکھکر حیرت ہوتی ہے کہ ان اداروں کے ذمہ دار افراد کے درمیان تو چھوٹے چھوٹے مسائل پر تصادم موجود ہے، لیکن ذاتی مفادات کی وجہ سے وہ جیسے تیسے اداروں کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔

مولانا علی میاں کا مذکورہ نکتہ غیر معمولی طور پر اہمیت کا حامل ہے، اس کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

سلف صالحین پر
عدم اعتماد کے اثرات و نتائج

سلف صالحین اور بزرگان دین کی احساس عظمت ایسی چیز ہے، جو فرد کے لئے صراط مستقیم پر قائم رکھنے میں غیر معمولی طور پر معاون ہے، سبب یہ ہے کہ وہ قرآن وسنت کے امت کے تسلسل کے امین ہیں۔ یہ سلف صالحین ہی ہیں، جن کی کوششوں سے قرآن کے الفاظ، معنیٰ، مفہوم، روح اور اس کا نصب العین اور فرائض وواجبات کا نظام ہم تک پہنچا ہے، سلف صالحین اور علمائے ربانیین کی اس مسلمہ اہمیت کی وجہ سے حضور ﷺ نے فرمایا، میری امت کے علمائے (ربانی) بنی اسرائیل کے انبیاء کے مثل ہیں۔

سلف صالحین نے قرآن وسنت کا صحیح رخ متعین کیا اور قرآن وسنت سے مسائل اخذ کر کے ہماری رہنمائی فرمائی۔

ان کی یہ رہنمائی ایسی ہے، جن سے استفادہ کر کے ہی اپنے دور کے حالات میں قرآن وسنت کی بہتر طور پر پیشکش کی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔

امت میں جب بھی سلف صالحین کی اس مسلمہ اہمیت کا انکار کر کے، اپنی ذہانت اور لغت کی مدد سے قرآن وسنت کو سمجھکر پیش کرنے کی کوشش کی گئی تو اس سے چار نقصانات ہوئے، ایک یہ کہ امت کا تسلسل متاثر رہا، دوسرے یہ کہ امت میں تفرقہ پیدا ہوا، اور علم کلام کی مدد سے امت میں نئے گروہ وجود میں آئے، تیسرے یہ کہ عقل پرستی کی فضا پیدا ہوئی، چوتھے یہ کہ اسلام کی تشریح میں تزکیہ اور عبادت کی نصب العینی حیثیت باقی نہ رہی۔

اس دور میں سلف صالحین کی عظمت سے انکار کی روش سے ایسی شخصیتیں سامنے آئی، جو اسلام کے سیکولرزم پر مبنی ایڈیشن کے تیاری کے کام میں مصروف ہوئے۔

ایسے گروہ بھی سامنے آئے، جنہوں نے قرآن وسنت کو نظام کی تبدیلی اور اسلامی قوانین کے حکومتی سطح پر نفاذ کے کام کو دین کا نصب العین قرار دیا، جس سے امت قرآن وسنت کی تشریح کے نام میں تقسیم ہوئی۔

یہ سب نتیجہ ہے سلف صالحین کی عظمت کے فقدان کا اور ان کی اسلامی تشریح پر عدم اعتماد کا، یقیناً اپنے دور کے حالات میں اسلام کو جدید اسلوب میں پیش کرنے اور نئے دور کے نئے مسائل میں نئی رہنمائی کی ضرورت ہے، نظام کی اسلامی بنیادوں پر تبدیلی کی بھی ضرورت ہے، لیکن اس ضرورت کی وجہ سے سلف صالحین کے اسلامی فہم پر عدم اعتماد اور ان کے احساسِ عظمت کی انکار کی روش ایسی ہے، جو افراد کو امت کی روشن چراغ شخصیتوں سے علمی، فکری، روحانی اور باطنی فیوض سے محروم رکھنے کا موجب بنتی ہیں اور جدیدیت کے حامل اسکالروں اور ان کے معتقدین کو امت کے تسلسل سے دور کرنے کا باعث بنتی ہیں، سلف صالحین پر عدم اعتماد کا ایک بڑا نقصان جو عقلیت کا حاملین کو بھگتنا پڑتا ہے، وہ ہے کہ وہ عقل کی بھول بھلیوں میں پھنس کر، جدیدیت کا شکار ہونے لگتے ہیں، فکری ژولیدگی کے ساتھ ساتھ وہ روحانی، باطنی، اور وجدانی طور پر بھی غیر یقینی حالت سے دوچار رہتے ہیں۔

دور جدید میں اس طرح کے اسکالروں کی نوجوان نسل میں مقبولیت کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ایک تو وہ ان کی ذہنی سطح کے مطابق ان سے گفتگو کرتے ہیں، دوسرے یہ کہ ان کی اسلامی تشریح میں بہت آزادی ہے، نفس کو اسلام سے ہمہ آہنگ نہ کرنے اور اس کا تزکیہ کرنے کے سلسلے میں ڈھیل ہے، قرآن میں متعدد آیات میں اگلے صالح افراد کی تقلید اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے ایک آیت ہے **اولئک الذین ھدی اللہ فبھداھم اقتدہ** (سورہ الانعام آیت ۹۰)

(یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی تھی تو تم بھی انہی کی پیروی کرو۔)

دوسری آیت ہے۔

وتبع سبیل من اناب الی۔ (سورۃ لقمان آیت ۱۵)

(جو شخص میری طرف رجوع لائے اس کی پیروی کرو۔)

سلف صالحین کے اسلام کے لئے دیئے جانے والے علمی و عملی کارناموں کو دیکھا جائے تو ان کے مقابلے میں اپنے ہیچ ہونے کا تصور ابھرتا ہے، اور ان کی عظمت کا نقش ابھرنے لگتا

ہے، اس موضوع پر مولانا سید ابوالحسن ندویؒ کی کتاب ''تاریخ دعوت عزیمت'' غیر معمولی اہمیت کی حامل کتاب ہے۔

اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کی حفاظت کے لئے اس کی پشت پر شخصیتوں کا ہونا ناگزیر رہا ہے، جو اپنے عمل اور کردار سے اس کا زندہ نمونہ ہوں، جو قرآن وسنت کی صحیح تشریح پیش کرتے رہیں، اس ضرورت کو اللہ تعالیٰ نے سلف صالحین کے ذریعہ پورا فرمایا۔

اب جس ذہین فرد کو بھی قرآن وسنت کے پیغام کو سمجھنا ہو، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ سلف صالحین اور اپنے دور میں ان کے وارثین کی طرف رجوع ہوں، اس سے انہیں قرآن وسنت کی صحیح ترتیب بھی حاصل ہوگی تو قرآن وسنت میں موجود نور بھی حاصل ہوگا اور تزکیہ یعنی نفس کے سنورنے کی صورت میں بھی پیدا ہوگی، سلف صالحین سے فکری اور عملی طور پر دوری یا ان پر عدم اعتماد کا مطلب اپنے آپ کو نفسیاتی طور پر ان سے بہتر اور افضل سمجھنا ہے، اس علمی برتری اور تکبر سے قرآن وسنت کے نام پر امت میں انتشار ہی پیدا کرنا ہے، جب کہ سلف کے فکری تسلسل سے بھرپور استفادہ کرکے، اپنے دور کے حالات میں اجتہاد سے کام لے کر آگے بڑھنا، اس سے جہاں وقت کے چیلنج سے عہدہ برآ ہونے کی صورت پیدا ہوتی ہے، وہاں امت میں یک جہتی کی فضا بھی پیدا ہوگی۔

تعلیمی اداروں میں
اخلاقی وروحانی تربیت کے انتظام کی ضرورت

اللہ کے طالب کی آرزو ہے کہ اسکولوں میں تزکیہ، روحانیت اور پاکیزہ اخلاقی تربیت کا انتظام ہو، تاکہ ہماری نسلیں نفسانیت اور مادیت پرستی کی ہولناک قوتوں سے زیر وزبر ہونے اور مادر پدر آزادی کی راہ پر گامزن ہونے سے بچ سکیں اور ذہنی ونفسیاتی امراض سے محفوظ رہ کر، اپنے دینی تسلسل پر قائم رہ سکیں، اس سلسلے میں جہاں لڑکوں کی ذہنی سطح کے مطابق انہیں اسلامی تعلیمات سے آشنا کیا جائے، وہاں تصوف وروحانیت کی فکری اور عملی تربیت کا بھی اہتمام ہو، یہ کام اگر سرکاری درسگاہوں میں نہیں ہوتا تو دینی طبقات کے قائم کردہ پرائیویٹ تعلیمی اداروں میں ہوسکتا ہے، اس کے لئے ان اداروں کے منتظمین کو اپنی دینی ذمہ داریاں ادا کرنی چاہئے۔

اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ تصوف کی مختلف کتابیں نصاب میں شامل کی جائیں، تصوف کی پہلی کتاب، تصوف کی دوسری کتاب، تصوف کی تیسری کتاب، تصوف کی چوتھی کتاب، کے نام سے طلبہ کی ذہنی سطح کے مطابق مختلف درجوں کے طلبہ کے لئے اس طرح کی کتابیں تیار کی جاسکتی ہیں، یہ کوئی مشکل کام نہیں، یہ تو تصوف کا فکری نوعیت کا کام ہے، تصوف کی ابتدائی سطح کی عملی نوعیت کی تربیت کا اہتمام ہونا، فکری تربیت سے زیادہ ضروری ہے، اس کے لئے ایسے جزوی وقتی اساتذہ کی خدمات حاصل کی جاسکتی ہیں، جو عملی تصوف میں زیادہ نہ سہی، دو چار سال تک کسی بزرگ کے حلقۂ ذکر میں شامل ہوئے ہیں، اس طرح کے کافی افراد ہر جگہ مل جائیں گے، ان کی ذمہ داری یہ ہو کہ وہ طلبہ کو پندرہ بیس منٹ کے مراقبہ کی مشقیں کرائیں، اس کے لئے باقاعدہ سیشن ہو، مراقبہ ایسی چیز ہے، جس کا اس وقت دنیا میں ایک حد تک چلن بھی ہے، مغرب کی بڑی بڑی کمپنیوں میں مادی نوعیت کا مراقبہ ہوتا ہے، جس کے انہوں نے غیر معمولی فوائد محسوس کئے ہیں، حالانکہ مادی نوعیت کا مراقبہ ہمارے

اسلامی طرز کے مراقبہ جس میں اللہ کے اسم ذات کا قلبی ذکر ہوتا ہے، اس کے مقابلہ میں کسی خاص افادیت کا حامل نہیں، جب مغرب مادی نوعیت کے مراقبہ کی راہ اختیار کر کے، اپنے افراد کے ذہنی ونفسیاتی مسائل میں کمی لا سکتا ہے اور ان کی قوت کار کردگی اور خود اعتمادی میں اضافہ کر سکتا ہے تو ہم اللہ کے اسم ذات کے مراقبہ کے اہتمام میں احساس شرمندگی اور احساس کمتری کا شکار کیوں ہوں، اس سلسلے میں ہمیں اپنے سارے تحفظات کو ختم کرنا ہوگا۔ اور امت کے تربیت کے صدیوں کے سلسلے کو برقرار رکھکر، درسگاہوں میں نئی نسلوں کی بہتر اخلاقی وروحانی تربیت کرنی ہوگی۔

جہاں تک بہتر ذہنی سطح کے افراد کے لئے تصوف کے فہم کا مسئلہ ہے تو اس سلسلے میں الحمدللہ ہمارا علمی کام اس قابل ہے کہ ان سے بھرپور استفادہ کیا جا سکتا ہے، ہم نے جہاں بزرگوں کی تعلیمات جدید علمی اسلوب میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے، وہاں اس موضوع کے مختلف پہلوؤں پر ہماری خود اپنی کتابیں بھی ہیں، جن میں تصوف کے بارے میں ساری غلط فہمیوں کو دور کر کے، صحیح اور حقیقی تصوف کے خدوخال اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ ہم اگر اسلاف کے روحانی تسلسل سے منقطع ہو جائیں گے تو اس سے سوائے اس کے ہم معاشرے میں ذہنی اور نفسیاتی مریضوں اور ہر طرح کے جرائم کے حامل افراد کی ٹیمیں پیدا کر کے، معاشرے کو بیمار معاشرے میں تبدیل کریں، اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

اہل اللہ، علمائے ربانین، سلف صالحین اور صاحبانِ دل سے دوری بلکہ ان سے سرکشی اختیار کر کے، ہم پہلے ہی بہت زیادہ نقصان اٹھا چکے ہیں کہ ہمارا معاشرہ دولت کے جنونِ میں مبتلا ہو چکا ہے، ہم عالمی اداروں کے قرضے پر زندگی گذارنے پر مجبور ہیں، اس لئے کہ ہم نے اجتماعی طور پر سادگی کی روش اختیار کرنے سے انکار کیا ہے، قرضوں کی وجہ سے ہم ان کی مادیت پرستی پر مبنی ہر طرح کی مسلط کردہ پالیسیوں کو بھی اپنانے پر مجبور ہیں۔

ہمیں اپنی حالت زار پر رحم کرنا چاہئے اور اپنی پاکیزہ اخلاقی وروحانی تربیت کا انتظام کر کے سلیقہ انسانیت کی حامل نسلیں تیار کرنے کا راستہ اختیار کرنا ہے، یہ وہی راستہ ہے جس کا اختصار سے یہاں ذکر کیا گیا ہے، اس کی تفصیل ہماری دوسری کتابوں میں موجود ہے۔

جدید اسلامی اسکالروں کا تجزیہ کریں گے تو معلوم ہوگا کہ وہ جدید مغربی فکر سے متاثر ہیں، مغربی فکر کی بنیاد عقل پر ہے، اور عقل کو تیز سے تیز تر کرنا اور اس کے ذریعہ نئی نئی ٹیکنالوجی ایجاد کرنا اور عقل کے ذریعہ زندگی کا دستور العمل متعین کرنا، ٹیکنالوجی اور سائنسی ترقی کے ذریعہ دنیا کی قوموں کے وسائل پر قبضہ کرنا، یہ اہل مغرب کا وظیفہ ہے، جدید اسلامی فکر کے حاملین بھی عقل کو تیز سے تیز تر کرنے کی راہ پر گامزن ہیں، حالانکہ قرآن وسنت میں عقل سے سو گناہ زیادہ دل کی صلاحیتوں کی بیداری پر زور ہے، اسلام ہدایت، تقویٰ اور نیکوکاری کا مرکز دل کو قرار دیتا ہے، اور گمراہی کو بھی وہ دل کی کجی کا سبب قرار دیتا ہے۔

فلما زاغوا اذاغ الله قلوبهم۔

(پس جب انہوں نے (اہل کتاب نے) کجی اختیار کی تو ہم نے ان کے دل کو ٹیڑھا کر دیا)۔

کلا بل ران علیٰ قلوبهم بما کانوا یکسبون۔

(ہرگز نہیں بلکہ ان کے اعمال کی وجہ سے ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے)۔

دل کے حوالے سے قرآن میں اس طرح کی بیسیوں آیتیں ہیں کہ دل کی صلاحیتوں کی بیداری سے غفلت کی وجہ سے دلوں میں مرض پیدا ہو جاتا ہے۔ **فی قلوبهم مرض فزادهم فزادهم الله مرضا۔** (ان کے دلوں میں مرض ہے اللہ نے اس مرض میں اضافہ کر دیا)۔

جدید اسلامی اسکالروں کا بڑا المیہ یہ ہے کہ ان کی ساری تربیت عقل کی بنیاد پر ہوئی ہے، انہوں نے دل میں اللہ کے انوار کو سمانے کے کام کی طرف نہ صرف توجہ نہیں دی، بلکہ انہیں

سرے سے دل کی ان صلاحیتوں کا ادراک ہی نہیں، اس ادراک کے سلب ہونے کا نتیجہ ہے کہ ان کے دل کی گرہیں کھل نہ سکیں، قرآن وسنت کے حقیقی پیغام اور اس کی حقیقی روح کو سمجھنے کے لئے بیدار دل اور قلب سلیم کے اجزاء کا ہونا ناگزیر ہے، دل کی بینائی سے محرومی کی حالت میں محض عقل سے قرآن وسنت کو سمجھنے کی کوشش ہوگی تو عقل تو عام طور پر نفسی قوتوں کی یرغمال ہوتی ہے، نفسی قوتوں کے یرغمال شدہ عقل کی ''خاصیت'' ہے کہ وہ افراد کو قرآن وسنت میں موجود حقیقی نور سے محروم رکھتی ہے۔ **ومن لم یجعل اللہ لہ نورًا فما لہ من نور۔** (اور اللہ تعالیٰ جسے نور نہیں دینا چاہتا، اس کے لئے کوئی نور ہی نہیں)۔

اس نور کے بارے میں قرآن میں کئی آیتیں ہیں، یہ نور اخذ کرنے کی صلاحیت دل کی ہے، عقل میں یہ صلاحیت نہیں ہے، ہاں جب دل اس نور کو اخذ کرنے میں بڑی حد تک کامیاب ہوتا ہے تو دل اس نور کے اثرات سے عقل کو بھی بہرہ ور کرتا ہے۔

حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں کائنات کی کسی چیز میں نہیں سما سکتا سوائے بندہ مؤمن کے دل میں۔

دل کی صلاحیتوں کی بیداری کے بغیر قرآن وسنت کی جو بھی تشریح ہوگی، اس میں سلف صالحین کی اسلامی تشریح کی مخالفت اور ان کی نفی ہوگی، اس لئے کہ سلف صالحین کی اسلامی تشریح میں نور بصیرت، دلِ بینا اور تقویٰ وخشیت غالب ہوتی ہے، جسے عقلیت کے حاملین جدید اسلامی اسکالر سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں، اس طرح وہ خود بھی اسلام کی حقیقت اور اس کی روح سے محروم ہوتے ہیں تو اپنے متوسلین کو بھی الفاظ کی جادوگری سے اس سے محروم کردیتے ہیں، علم اور الفاظ کا بڑے سے بڑا ذخیرہ بھی تزکیہ، تقویٰ، خشیت اور معرفت کا بدل نہیں ہوسکتا، علم اسی وقت نافع ہوسکتا ہے، جب اس میں انعام یافتہ شخصیتوں سے استفادہ ہو یا ان سے مطابقت ہو، اس لئے کہ ان کے علم میں نور بصیرت شامل ہوتا ہے۔

امت میں قرآن وسنت کی جو تشریح اب تک متعارف رہی ہے، جس سے امت کا پوری طرح تسلسل وابستہ ہے، وہ سلف صالحین کی تشریح ہے۔

جدید اسلامی اسکالروں کا یہ وہ المیہ ہے، جس کی وجہ سے وہ جدید اسلامی تشریح کے ذریعہ دلِ بینا سے محروم اور سیکولرزم کے حاملین کی ٹیموں کی ٹیمیں پیدا کررہے ہیں۔

یہ نکتہ بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ امت کی بڑی بڑی شخصیتوں نے اپنا یہ تجربہ بیان کیا ہے کہ وہ جب تک اہل اللہ کی صحبت کے زیر اثر ذکر وفکر کے مجاہدوں سے دور رہے، تب تک وہ علمی برتری کا شکار ہوکر، نفس پرستی میں مبتلا ہوئے اور ان کا علم انہیں نفس شناسی، اللہ شناسی اور باطن کی وسیع دنیا کی ویرانی سے نہیں بچا سکا، حالانکہ وہ علمی اعتبار سے بلندی کی سطح پر فائز تھے، ایسی شخصیتوں میں امام غزالی اور مولانا رومی وغیرہ شامل ہیں۔

جب اتنی بڑی علمی شخصیتوں کے یہ تجربات ہیں تو ہم جیسے افراد کا نفس تو علمی برتری اور دعویٰ کے ذریعے ہمیں جتنا گمراہ کرے، کم ہے۔

ہم جدید اسلامی اسکاروں کو دردمندی سے عرض کریں گے کہ وہ عقلیت اور عقل محض کو تیز کرنے کی بجائے دل کی صلاحیتوں کی بیداری کی طرف بھی توجہ دیں تو اس سے ان پر سلف صالحین کے قرآن وسنت کے فکر کی اہمیت واضح ہوگی، لیکن اس کے لئے انہیں اہل اللہ کی طرف رجوع کرنا ہوگا، ان سے اپنے نفسی حجابات کو دور کرنے کا علاج کرانا ہوگا، اس کے بغیر عقلِ محض پر مبنی ان کا علم امت میں سوائے اس کے کہ تفرقہ پیدا کرے، کسی اہمیت کا حامل نہ ہوگا۔

اسلام کے نفاذ کی بہتر صورت
فرد کی تبدیلی سے کام کا آغاز کرنا

اللہ کے طالب کی نظر میں سلف صالحین کی اسلامی فکر یا اس سے ماخوذ جدید اسلوب میں پیش کی گئی فکر ہمارے لئے سرمایہ حیاتِ ہے، سلف صالحین کے وراثتی سلسلے بھی ہماری زندگی کے رخ کو تزکیہ کے حوالے سے متعین کرنے اور تزکیہ میں غیر معمولی طور پر مفید اور مؤثر ہیں۔ سلف صالحین کی اسلامی فکر اور ان کے وراثتی سلسلوں کے علاوہ ہم دوسری فکر کے متحمل ہی نہیں ہیں، اس لئے کہ وہ سیدھی شاہراہ کی بجائے پگڈنڈیوں پر لے جانا کا ذریعہ ہیں۔

سلف صالحین کی قرآن وسنت سے ماخوذ فکر اور ان کے وراثتی سلسلوں سے یہ ہوتا ہے کہ ایک تو ہمارے پانچ فوٹ کے جسم پر اسلام کے نفاذ کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ اور نفس کی وسیع دنیا میں غوطہ زن ہو کر، انسانی نفس کی گہرائیوں سے واقفیت ہوتی ہے، دوم یہ کہ دل اور ذہن میں مطابقت پیدا ہوتی ہے، یعنی ذہن کو دل کی طرف سے اتنا نور ملتا ہے کہ ذہن میں سرے سے اشکالات ہی پیدا نہیں ہوتے، سوم یہ کہ معاشرے میں پیدا ہونے والے بگاڑ سے بچاؤ کی صورت پیدا ہوتی ہے، اس بگاڑ پر فکر مندی و تشویش پیدا ہوتی ہے اور اس کی روک تھام کے سلسلے میں اپنے حصے کے کردار کی ادائیگی کی صورت پیدا ہوتی ہے۔

جن شخصیتوں نے سلف صالحین کی اسلامی فکر کو ہضم کیا اور ساتھ ساتھ ان کے روحانی سلسلوں سے بھرپور استفادہ کر کے جدید اسلوب میں اس فکر کو پیش کیا، وہ ملت کا بڑا سرمایہ ہیں، ایسی شخصیتوں میں علامہ اقبال، ڈاکٹر محمد رفیع الدین، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولانا مناظر احسن گیلانی جیسی شخصیتیں نمایاں ہیں، جدید ذہن کا حامل جو فرد بھی ان شخصیتوں کی فکر سے استفادہ کرے گا، اس پر سیدھے راستے کا تعین ہو گا اور وہ جدیدیت کی بھول بھلیوں میں بھٹکنے سے بچ جائے گا، اسے دین کی صحیح ترتیب سمجھ میں آجائے گی کہ سب سے پہلے اپنے نفس کے بت خانہ کے ٹوٹ

پھوٹ کے کام کو اہمیت دی جائے، تزکیہ کے لئے مجاہدوں سے کام لیا جائے، اپنی ذات کو سلیقے عبدیت سے آشنا کیا جائے، اس کے بعد اسلام کے دعوتی کام کو اہمیت دی جائے اور معاشرے کی اصلاح کے لئے اپنی توانائیاں صرف کی جائیں اور خیر کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کیا جائے۔

جب تک معاشرے میں فساد غالب ہے، تب تک ریاست کی تبدیلی کے کام میں توانائیاں صرف نہ کی جائیں، اس لئے کہ فاسد معاشرے سے اسلام کے نام پر جو بھی تحریک برپا ہو گی، اول تو وہ چل نہیں سکے گی، اگر وسائل اور بہتر تنظیم کی وجہ سے وہ چل بھی جائے تو وہ انتشار و خلفشار سے بچ نہیں سکے گی، البتہ معاشرے میں اگر مؤثر طبقات میں دیندار افراد موجود ہیں تو ان پر اثر انداز ہو کر، معاشرے میں پیدا ہونے والے فساد کو جتنا کم کیا جا سکتا ہے کیا جائے اور اس طرح کے افراد کے ذریعہ ریاست کے رخ کو اسلامیت کی طرف موڑنے میں جتنا کردار ادا کیا جا سکتا ہے، کیا جائے۔

یہی وہ ترتیب ہے، جو سلف صالحین کی اسلامی فکر اور ان کے وراثتی سلسلوں سے اللہ کے طالب کو ملتی ہے، اس ترتیب میں یہ بات بھی شامل ہے کہ حکومت سے وابستہ افراد میں اگر دینی مزاج کے حامل افراد موجود ہوں تو ان پر کام کر کے، ان کے ذریعہ حکومت کے رخ کو بہتر سمت میں موڑنے کا کردار کیا جائے، حضرت مجدد الف ثانی نے اکبر کے پیدا کردہ فتنے کا مقابلہ اسی طرح کیا اور اس میں انہیں کامیابی حاصل ہوئی۔

مزاج کی اسلامی بنیادوں پر
تعمیر و تشکیل کا اہم ترین کام

اللہ کے طالب کی نظر میں عبادت اور ذکر و فکر کا مزاج راسخ ہوئے بغیر فرد کی شخصیت میں سلامتی پیدا نہیں ہوتی اور اسلامی مزاج پیدا نہیں ہوتا، اگرچہ اس میں ظاہری دینداری کی کچھ خوبیاں اور صفات بھی پیدا ہو جائیں، مثلاً وہ اسلام کی وکالت کا فریضہ سرانجام دیتا ہو، کچھ نہ کچھ دعوتی کام بھی کرتا ہو، لیکن وہ اپنی ذات اور اپنے حلقہ احباب کے لئے باعث خیر ثابت ہو، عفو و درگزر کی صلاحیت کا حامل ہو، اپنی ذات سے دوسروں کی دل آزاری کرنے سے بچنے

کی استعداد کا حامل ہو، گلا غیبت، بے جا تنقید، غصہ واشتعال سے محفوظ ہو، اس طرح کی بہت ساری انسانی اوصاف ہیں، جو اس میں پیدا ہوں، وہ مشکل ہے، سبب یہ ہے کہ ان ساری چیزوں کا تعلق تزکیہ سے ہے اور تزکیہ ایسی چیز ہے جو آسانی سے نہیں ہوتا، اس کے لئے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں، تزکیہ صحبت اہل اللہ اور ذکر وفکر کے مجاہدوں سے ہی ہوتا ہے، تزکیہ کے لئے نفس کے بت کدہ کو توڑنے کے ایک مسلسل عمل سے گزرنا پڑتا ہے، اس کے بعد ہی سلیقہ انسانیت سے بہرہ وری ہوتی ہے اور فرد اپنی ذات اور معاشرے کے لئے انتہائی مفید اور کارگر ثابت ہوتا ہے۔

بات واضح ہے کہ فرد کی شخصیت اسلام سے ہمہ آہنگ ہو جائے، دوسرے الفاظ میں فرد کا اسلامی مزاج راسخ ہو جائے، اس کے لئے عبادت اور ذکر وفکر کے ذریعہ اللہ سے اپنے تعلق کو مستحکم کرنا پڑتا ہے، جو شخص اللہ جیسی سب سے بڑی محسن ہستی سے محبت کے تعلقات کو مستحکم نہیں کرتا، جو اللہ سے وفاداری کا رشتہ قائم نہیں کرتا، وہ بندوں کے حقوق ادا کرے اور ان سے وفا کے رشتہ کو نبھا سکے، نیز وہ بندوں کے لئے بہتر انسان ثابت ہو سکے، ممکن نہیں۔

مزاج کی اسلامی بنیادوں پر تشکیل فرد کا سب سے بڑا مسئلہ ہے، معاشرے کی بہتر بنیادوں پر تعمیر کا سارا کام فرد میں انسانی جوہروں کے پیدا ہونے سے ہی وابستہ ہے، یہ جوہر اللہ سے مستحکم تعلق قائم کرنے سے پیدا ہوگا۔

جدید اسلامی اسکالروں کے فکری مغالطوں کا المیہ

اسلام کے نام پر نوجوان نسل کو

عقل کا پرستار بنانے کی کاوشیں

جدید اسکالروں کی طرف سے اسلام کی جدید ایڈیشن کی تیاری کا کام ہو یا سلف صالحین کی اسلامی تشریح سے متصادم اسلامی فکر کی پیشکش کا کام، یہ کام ایک ہی خرابی کا نتیجہ ہوتا ہے، وہ خرابی یہ ہے کہ فرد چھوٹے پن کے مراحل سے گذرے بغیر بڑے پن کے مقام پر فائز ہو گیا

ہے اور وہ تزکیہ یعنی نفس کو سنوارنے کے مراحل سے گزرے بغیر اپنی علمی، ذہنی اور خطیبانہ صلاحیت کی بنا پر سلف وخلف سب کی نفی کرتے ہوئے خود کو مجتہد کے مقام پر فائز سمجھنے لگتا ہے، اس طرح مجتہد اپنی لفاظی کی وجہ سے نہ صرف خود گمراہ ہوتا ہے، بلکہ وہ سوشل میڈیا کے ذریعہ اسلام سے لاعلم یا اسلام کے بارے میں سطحی علم رکھنے والے لاکھوں افراد کو اپنی جادو بیانی کے زیر اثر ان کی گمراہی کا بھی ذریعہ بنتا ہے۔

یہ سب نتیجہ ہوتا ہے دعویٰ اور علمی برتری کا۔ حقیقت یہ ہے کہ علمی صلاحیت کے ساتھ اگر تزکیہ کے لئے ذکر وفکر کے مجاہدے نہ ہوں اور کسی اہل اللہ کی سرپرستی نہ ہو تو فرد، نفس کے مکر وفریب کی ہزارہا واردات سے بے خبر ہوتا ہے، وہ نہ چاہتے ہوئے بھی نفسی قوتوں سے مجبور ہو کر، اپنی علمی اور خطیبانہ صلاحیتوں کی بنا پر اپنے پیروکاروں کا مضبوط گروہ تیار کرنا چاہتا ہے، دعویٰ اور علمی برتری اسے مجبور کرتی ہے کہ وہ امت کی مسلمہ شخصیتوں کی تکذیب وتردید کرکے، علمی اعتبار سے اپنے آپ کو ان سے برتر سمجھے، یہ سارا کام وہ قرآن وسنت کے حوالے سے کرتا ہے اور یہ ذہن بنانے کی کوشش کرتا ہے کہ بزرگان دین، اولیائے کرام اور علمائے ربانی فکری وعلمی جمود کا شکار ہیں اور وہ قرآن وسنت سے براہ راست رہنمائی حاصل کرنے کی بجائے اپنے سے پیشتر بزرگوں کو حرف آخر سمجھکر، لکیر کے فقیر بن کر ان کو اپنا امام سمجھتے ہیں اور قرآن وسنت کو چھوڑ کر وہ ان کی پیروی کرتے ہیں۔

جدید اسلامی اسکالر اس طرح کے مغالطوں کے ذریعہ جدید نسلوں کا پوری امت سے تسلسل کاٹ کر انہیں اپنی خود ساختہ اسلامی فکر کا اسیر بنانا چاہتے ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ

قرآن نے مومنوں اوران کی نمائندہ شخصیتوں کی راہ اختیار نہ کرنے والوں کے لئے سخت انتباہ دیا ہے، **ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین له الهدیٰ ویتبع غیر سبیل المومنین نوله ما تولیٰ ونصله جهنم۔** (جس نے ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کی اور مومنوں کے علاوہ دوسری راہ اختیار کی، ہم اسے ایسا کرنے دیں گے لیکن پھر ہم اسے جہنم میں داخل کریں گے)۔

مومنوں کے نمائندے سلف صالحین اور علمائے ربانیین ہی ہیں۔ اس آیت میں ان کی راہ اختیار نہ کرنے کے نتائج یا اس سے فرار اختیار کرنے کے نتائج سے واقف کیا گیا ہے، سبب یہ ہے کہ سلف صالحین جہاں قرآن وسنت کی گہرائیوں تک پہنچنے میں کامیاب ہوتے ہیں، وہاں وہ نور نبوت کے اجزاء سے بھی بہرہ ور ہوتے ہیں، نیز ذکر وفکر کے طویل عرصہ کے مجاہدوں سے نفس کے بت خانے کو توڑ کر تزکیہ نفس کے بہتر مقام پر فائز ہوتے ہیں، حب جاہ، حب مال، حرص، حسد، خود نمائی اور دعویٰ جیسی بیماریوں سے حفاظت کی وجہ سے ان پر قرآن وسنت کے علوم اور انسانی نفسیات کی خرابیاں آشکار کر دی جاتی ہیں، ان کی عملی زندگی پاکیزگی کا نمونہ ہوتی ہے، وہ تقویٰ اور خشیت کی اعلیٰ مثال ہوتے ہیں، ان کی ان صفات وکمالات کی وجہ سے اللہ نے ان کو صدیوں تک روشنی کا مینار بنایا ہے اور کروڑوں افراد کی ہدایت کا ذریعہ بھی۔

ان کے قرآن وسنت اور نور نبوت کے علوم سے استفادہ کئے بغیر جو بھی اسکالر علم، لغت اور اپنی ذہانت کی مدد سے اسلامی تشریح کے مقام پر فائز ہوگا، چونکہ اس کے باطن پر حجابات کا غلبہ ہوگا، اس لئے وہ صحیح اسلامی فکر سے آشنا نہ ہو سکے گا۔ باطنی حجابات اُس کو قدم

قدم نفس پرستی اور ظلمات پر ابھارتے رہیں گے، ان کی زبان سے تو اسلام جاری ہوگا، لیکن ان کا باطن کدورتوں سے عبارت ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ دل کی آنکھوں کی بیداری اللہ کی بڑی نعمت ہے، جو دل کی بینائی سے محروم ہیں، ایسے اسکالر اپنی علمی وذہنی صلاحیتوں سے افراد معاشرہ کو جتنا بھی نقصان پہنچائیں، کم ہی۔ **فانها لاتعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور ۔** (پس آنکھیں اندھی نہیں ہوتی، بلکہ سینے میں جو دل ہیں، وہ اندھے ہوتے ہیں)۔

اللہ کی یہ سنت ہے کہ سلف صالحین اور اہل اللہ کے قرآن وسنت سے علوم سے استفادہ کئے بغیر بینا دل پیدا نہیں ہوتا، اور دل کی بینائی کی صلاحیت حاصل نہیں ہوتی۔

نماز میں ہم روزانہ اللہ سے دعا مانگتے ہیں **اهدنا الصراط المستقیم** (یا اللہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا) کون سا سیدھا راستہ **صراط الذین انعمت علیهم** (انعام یافتہ لوگوں کا راستہ) یہاں سیدھے راستے کے جواب میں قرآن وسنت کے راستے کی نشاندہی نہیں فرمائی گئی، سبب یہ ہے کہ قرآن وسنت کے الفاظ کے معنیٰ میں بہت وسعت ہے، ایک ایک لفظ کے دسیوں معنیٰ ہیں، آپ کون سے معنیٰ کو لیں گے، اللہ کو قرآن وسنت کی وہی معنیٰ اور وہی مفہوم قابل قبول ہے جو انعام یافتہ لوگوں نے متعین کیا ہے، یہ انعام یافتہ لوگ صحابہ کرام اور سلف صالحین ہی ہیں، جن کے راستے پر امت پورے تسلسل کے ساتھ گامزن رہی ہے، سلف صالحین کا یہ راستہ قرآن اور اس کے نور سے سرشار راستہ ہے۔

جدید اسلامی اسکالر چاہتے ہیں کہ امت کی نوجوان نسل ان کی لچھیدار گفتگو اور خطیبانہ صلاحیت سے متاثر ہو کر، سلف صالحین کے قرآن وسنت کے راستے کو چھوڑ کر، انہیں مجتہد مان کر ان کی پیروکار بن جائے، انہیں قرآن وسنت کا حقیقی شارح سمجھیں اور ان کی تقلید کرنے لگیں۔

بدقسمتی سے جدید نسلیں اسلامی اعتبار سے خالی ذہن ہیں، سلف صالحین کی اسلامی فکر کی نوعیت کو سمجھنا ان کے لئے مشکل ہے، جدید تعلیم نے انہیں عقل کا پرستار بنادیا ہے، اس لئے عقل کے حامل اسکالر ان کی ان کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر، انہیں اسلام کی حقیقی تعلیم (جو سلف صالحین کی تعلیم ہے) اس سے دور کرنا چاہتے ہیں، اسلام کو جو چیز مطلوب ہے، وہ تقویٰ ہے، تزکیہ ہے، خشیت ہے، اللہ سے مستحکم تعلق ہے، سیرت وکردار میں پاکیزگی ہے، حمیت دین ہے، اسلام کو نظام زندگی سمجھکر، اس نظام زندگی پر عمل پیرا ہونے کی کاوش کرنا ہے، اسلام سے متصادم نظریات سیکولرزم اور لبرل ازم وغیرہ سے نفرت کرنا ہے، معاملات میں بہتری ہے، وغیرہ وغیرہ یہ ساری چیزیں ایسی ہیں، جو سلف صالحین سے ہی ہمیں تسلسل کے ساتھ ملی ہیں، قرآن وسنت میں ان چیزوں پر زور ہے، لیکن سلف صالحین اور علمائے ربانین نے اپنی غیر معمولی ایمانی قوت سے معاشرے میں ان چیزوں کو جاری وساری رکھا، اب بھی جو لوگ علمائے ربانیین سے وابستہ ہیں، وہ اسلام کی ان تعلیمات کو اپنی ذات پر جاری وساری رکھنے میں کامیاب ہیں، جب کہ جدید اسلامی اسکالر عقلیت پرستی اور الفاظ کی جادوگری سے بڑھکر ان اوصاف کے حامل ہوں، مشکل ہے۔

جدید اسلامی اسکالروں کا ایک ''کارنامہ'' ضرور ہے کہ وہ خوبصورت الفاظ کا ایسا جادو جگاتے ہیں کہ جدید نسلیں قیل وقال کی غازی بن جاتی ہیں اور ان کی زبان سے تو اسلام جاری ہونے لگتا ہے، لیکن دل نہ صرف زبان کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا، بلکہ سلف صالحین کے مخالفانہ مزاج کی وجہ سے ان کے دل میں کدورت پیدا ہونے لگتی ہے۔

امت میں کتاب اللہ کے ساتھ رجال اللہ دونوں کی ہمیشہ مسلمہ اہمیت رہی ہے، دین کے سیکھنے اور دینی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی یہی دو صورتیں رہی ہیں، اسلام سے رجال اللہ کو نکالنے اور ان کی نفی کرنے کے بعد کتاب اللہ کی خود ساختہ تشریح کرنے سے یہ امید رکھنا کہ افرادِ معاشرہ میں اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے اور سیرت وکردار میں پاکیزگی کی استعداد پیدا ہوگی، لاحاصل ہے، امت کے تسلسل کی نفی کی راہ اختیار کرنا، ہر اعتبار سے خطرناک امر ہے، سوچنے، سمجھنے اور سنبھلنے کی ضرورت ہے۔

اعلیٰ اور پاکیزہ انسانی حس کی بیداری کی ضرورت

موجودہ دور کے مادی نظریات اور مادی زندگی نے انسان کو سب سے زیادہ جو نقصان پہنچایا ہے، وہ یہ ہے کہ اس نے انسان سے اعلیٰ اور پاکیزہ انسانی حس کو سلب کر دیا ہے، جس کی وجہ سے انسانی شخصیت سراپا مادی بن کر رہ گئی ہے اور مادی انسان کی تو کُل حیثیت ترقی یافتہ حیوان سے زیادہ نہیں ہے، وہ کھاتا پیتا ہے، عیش عشرت کرتا ہے، دولت جمع کرتا ہے، انہی چیزوں میں وقت صرف کر کے، عمر پوری کر کے مر جاتا ہے۔ موت کے بعد اس کے ساتھ کیا ہوگا؟ وہ عام طور پر یا تو اس سے آشنا نہیں ہوتا، اگر آشنا ہوتا بھی ہے تو اس کا یہ ادراک بہت زیادہ نحیف ہوتا ہے۔

پاکیزہ انسانی حس ایسی چیز ہے، جو فرد میں دردمندی، حساسیت اور انسانیت کے حوالے سے فکرمندی پیدا کرتی ہے اور انسانیت کے لئے رحم کا مادہ پیدا کرتی ہے، اپنے جیسے دوسرے انسان کو مسائل کا شکار دیکھکر غم زدہ ہوتی ہے، اور اسے اس کی مدد کے لئے آمادہ کرتی ہے، یہ پاکیزہ انسانی حس دراصل مذہب ہی پیدا کرتا ہے، نفس کا یرغمال شدہ عقل پاکیزہ انسانی حس کو دبا دیتا ہے۔

بدقسمتی سے موجودہ دور میں انسان پر مذہب کے اثرات کم سے کم ہو گئے ہیں، مادیت پرستی کی عالمگیر وبا نے مذہب کو یا تو دیس نکالا دیا ہے یا اس کے اثرات کو محدود کر دیا ہے، اس کی وجہ سے پاکیزہ انسانی حس دب گئی ہے، جس کی وجہ سے انسان ترقی یافتہ حیوان کی سطح پر آ گیا

ہے، دولت کی خاطر انسانوں پر جنگیں مسلط کرنا، قوموں کے وسائل پر قبضے کے لئے متحدہ ہو کر لشکر کشی کرنا، قوموں کی اقتصادیات کو تباہ کرنے کے لئے منصوبہ بندی کرنا، اہل سیاست، انتظامیہ، اور مؤثر طبقات کی طرف سے لوٹ مار وغیرہ یہ ساری چیزیں بتاتی ہیں کہ انسان ترقی یافتہ حیوانی سطح سے بلند ہو کر سوچنے کے لئے تیار ہی نہیں، یہ ایسی چیز ہے جس کے بغیر پاکیزہ انسانی حس بیدار نہیں ہو سکتی۔

جب پاکیزہ انسانی حس بیدار ہوگی تو انسان دوسروں کی بھوک اور غربت کے مسئلے کو اپنا مسئلہ سمجھے گا، وہ شخصیت کی پاکیزگی کے لئے جنسی آوارگی کا شکار نہ ہوگا، جنسیت کے حوالے سے حیوانی نوعیت کے مناظر پر وہ شدید کراہت محسوس کرے گا، وہ انسان سے محبت کرنے کے سلیقہ کا حامل ہوگا۔

اس وقت انسانیت اور قوموں کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہ پاکیزہ انسانی حس کو بیدار کرے، جس کے لئے مذہب کی طرف رجوع ہونے اور گہری مذہبی زندگی اختیار کئے بغیر چارہ کار نہیں۔

سوال یہ ہے کہ آخر انسانیت پر شیطنت اور حیوانیت کب تک غالب ہوگی، انسان نے پچھلے دو سو سال میں مادی مفادات کی خاطر جنگوں میں کروڑہا انسانوں کو ہلاک کیا ہے اور بہت ساری قوموں کی اقتصادیات کو تباہ کیا ہے، تباہی کے ان سارے تجربات سے سیکھکر ہی انسان کی پاکیزہ حس کی بیداری کی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔

ضرورت ہے کہ عالمی سطح سے لے کر قوموں کی سطح تک کے دانابینا انسان جنہیں حقیقی دانشور کہہ سکتے ہیں، وہ بیدار اور متحد ہو کر انسانیت کے خلاف ہونے والی سازشوں پر احتجاج کریں اور پاکیزہ انسانی حس کی بیداری کے سلسلے میں متحدہ طور پر کردار ادا کریں۔

انسانیت کو دانابینا قیادت کی ضرورت

انسانیت کو دانابینا انسان کی ضرورت جتنی آج ہے، اتنی ضرورت شاید ہی کبھی رہی ہو، اس لئے کہ اس دور میں مادیت پرستی کی قوتوں نے انسانیت کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں، اور ان سے حکمت، بصیرت، فہم وفراست اور انسانیت کے حوالے سے صحیح فیصلے کرنے کا ادراک اور اس کی صلاحیت سلب کر دی ہے، اس لئے انسانیت پچھلے دو ڈھائی سو سالوں میں ایک دوسرے سے ٹکراؤ کی حالت میں ہے، بلکہ صحیح الفاظ میں مادہ پرست قوتوں نے اپنے حرص کی تکمیل کی خاطر انسانوں پر جنگیں مسلط کی ہیں، ان حالات میں انسان امن امان کے لئے ترس گیا ہے، اگرچہ افغانستان میں امریکہ اور اس کی حمایت یافتہ قوتوں کو شکست ہونے کے بعد ان قوتوں کے حوصلے میں کچھ پستی آئی ہے، لیکن دریا فرات کے خشک ہو جانے کی وجہ سے ترکی میں ایک جگہ سونے کا پہاڑ نکل آیا ہے، سونے کا یہ پہاڑ ۹۹ ٹن پر مشتمل ہے جس کی مالیت ۱۶ ارب ڈالر سے زیادہ ہے، واضح ہو کہ دریائے فرات ترکی سے شام اور شام سے عراق گذرتا ہے، سونے کا یہ پہاڑ تو صرف ایک جگہ سے نکلا ہے، کہا جاتا ہے کہ سونے کے اس طرح کے کئی پہاڑ ہے، جن سے سونا نکلنے کے غالب امکانات ہیں، سونے کے یہ پہاڑ کیا نکلیں گے کہ جدید ترین اسلحہ سے لیس مادیت پرست قوتوں کے حرص وہوس کے جذبات کو بے قابو بنا

دیں گے اور سونے کے ان پہاڑوں پر قبضے کے لئے یہ قوتیں متحد ہو کر نئے سرے سے جنگیں مسلط کریں گی۔

دنیا کی حرص وہوس ایسی چیز ہے، جس کی اگرچہ کوئی اصلیت اور حقیقت نہیں ہے، حرص وہوس سے سوائے اس کے کہ قوموں پر اپنی بالادستی کا خواب شرمندہ ہو، اور کوئی فائدہ نہیں ہے، اس لئے کہ بالادستی کتنے دنوں کی؟ آخر چند سالوں کے بعد بالادست قوموں کو بھی موت کا سامنا کرنا ہی پڑے گا، اس لئے یہ ساری بالادستی یا دولت کی ریل پیل چند دنوں کے دل بہلانے سے زیادہ حیثیت کی حامل نہیں، ماضی کی طاقتور قومیں بھی مادی خوشحالی، تکبر اور غرور کے نشے میں مبتلا تھی، اس نشے نے انہیں دوسری قوموں پر لشکر کشی پر مجبور کیا، لیکن ان کا کروفر، ان کی شان مان، ان کی برتری خواب وخیال کی طرح محو ہو گیا، وہ قومیں خود عبرت کا نشانہ بن گئی، تاریخ کا مطالعہ یہی بتاتا ہے حرص وہوس ایسی چیز ہے، جو خواب وخیال کی طرح ہوائی چیز ہے، لیکن طاقتور قومیں حرص وہوس کا شکار ہوتی ہیں تو انسانیت قتل وغارت گری کا شکار ہوتی ہیں، تھوڑے عرصہ کے بعد غاصب اور ظالم قومیں خود بھی قدرت کی طرف سے عبرت کا نشانہ بنتی ہیں۔

ان حالات میں انسانیت کو دانابینا انسانوں کی ضرورت ہے، جو انسانیت کو حرص وہوس اور دولت کی خاطر دوسری قوموں پر بالادستی حاصل کرنے کے نتائج سے نہ صرف آشنا کریں، بلکہ ان پر اثر انداز ہو کر انہیں ایسا کرنے سے روکیں، قدرت سے کیا بعید ہے کہ وہ انسانیت کی حالت زار پر رحم فرما کر، ہمیں ایسی دانا شخصیتیں عطا کرے، یہ شخصیتیں عالمی سطح پر بھی ہوں

تو ریاستوں کی سطح پر بھی، اگر اس طرح کی شخصیتیں پیدا نہ ہوئیں تو انسانیت حرص وہوس کی خاطر ایک دوسرے کو قتل کرنے کی روش پر گامزن ہو کر قافلہ انسانیت کی تباہی کا ذریعہ بنیں گی۔

مشکوٰۃ کی حدیث شریف میں ہے کہ آخری دور میں سونے کے پہاڑ نکلیں گے، اس کی وجہ سے قتل وقتال ہوگا، یہ قتل وقتال اتنا زیادہ ہوگا کہ سو میں سے ایک فرد ہی اس سے بچ سکے گا، اس لئے آپ ﷺ نے تاکید فرمائی، جو لوگ اس وقت کو پائیں، وہ سونے کے پہاڑوں کے قریب نہ جائیں، یعنی وہ دنیا کی بہتات کی جنگ سے دور رہیں۔

موجودہ پُر فتن دور میں

مادیت کے اثرات سے بچاؤ کے لئے کرنے کے کام

اللہ کے طالب کی نظر میں موجودہ دور سراسر فتنوں کا دور ہے، فتنوں سے بچنے کے لئے درج ذیل چیزوں کی ضرورت ہے (۱) غیر ضروری تعلقات اور میل جول کو ختم کرنا (۲) دیندار شخصیتوں کے ماحول میں رہنے کے لئے کوشاں ہونا، ان کی صحبت کو لازم پکڑنا (۳) اللہ کے ذکر کا سہارا لینا اور قرآن سے تعلق قائم کرنا (۴) اپنی ضروریات کو کم سے کم کرنا اور سادگی سے زندگی کے چند دن گذارنے کے لئے کوشاں ہونا، (۵) اللہ سے مانگتے رہنے کی نفسیات کو پختہ کرنا (۶) فتنوں کے جدید مراکز سوشل میڈیا وغیرہ سے دور رہنا (۷) اگر حقیقی صاحب دل شخصیت دستیاب ہو جائے تو اپنا دل اس کے حوالے کرنا اور اس سے رابطہ رکھتے رہنا (۸) روزانہ خود احتسابی سے کام لینا کہ آخرت کے حوالے سے کیا کھویا کیا پایا، اس خود احتسابی کے ذریعے دینی حوالے سے اپنی حالت کو بہتر سے بہتر بنانا (۹) ملازمت اور کاروباری مجبوریوں کی وجہ سے دنیادار افراد سے اگر میل جول رکھنا ضروری ہے تو اس میل جول کو مجبوری سمجھکر گوارا کرنا، اسے گہرے تعلقات میں تبدیل نہ کرنا (۱۰) باطنی گناہ جو ظاہری گناہوں کا بھی ذریعہ ہوتے ہیں، ان سے بچنے کے لئے خصوصی اہتمام کا ہونا (۱۱) وقت کو سرمایہ حیات سمجھکر اس کا استعمال کرنا یعنی وقت کے قیمتی لمحات کے ضیاع ہونے سے بچنے کی سعی کرنا۔

(۱۲) اگر اصلاح نفس کے لئے کسی اہل اللہ سے تعلق قائم ہے تو اس کے دیئے ہوئے ذکر پر محنت کرنا، ان کے دیئے ہوئے ذکر سے انشاء اللہ اصلاح وتزکیہ کا عمل بتدریج جاری رہے گا، اور اس میں ارتقا ہوتی جائے گی۔

(۱۳) اگر کسی اہل اللہ سے تعلق قائم نہیں ہے تو اصلاح وتزکیہ کے لئے صبح سے رات گئے تک مسنون اوراد اور وظائف کو معمول بتانے کے لئے کوشاں ہونا۔ وغیرہ وغیرہ۔